

# ایستخفاف

تغزیرات قلم

علامہ ارشد القادری



مطبوعات **لوح و قلم** لاہور

واپس دیکھو: "الغفار" گنج بخش روڈ لاہور



مصطفیٰ عباس

رضوی

۱۵/۰۱/۵۸

# ایستادہ حقیقت

تغزیرات قلم

علامہ ارشد القادری

اخلاقی مسائل میں اظہار خیال کا ایک نیا  
اسلوب اور فکر انگیز طریقہ استدلال



مطبوعہ **لوہ قلم** لاہور

واحدہ تقسیم کار: (المعارف) گنج بخش روڈ، لاہور



## فہرست مضامین

علامہ ارشد القادری

مقدمہ

ابتدائیہ

”جماعت اسلامی اپنے کردار کے آئینہ میں“

”جماعت اسلامی کا عقیدہ توحید“

کر بلا کے بعد دوسرا حملہ

حامیان یزید کی نقاب کشائی

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ایک زبردست مطالبہ

حسرت پامال

بیس ہزار کی بزم

توبہ شکن موسم

دوا سلام

جسم بے سایہ

ایک ملعون حرکت

علم غیب

اپنے منہ پر اپنا ہی طمانچہ

ہفتہ ————— ”لوح و قلم“ لاہور

طابع ————— مکتبہ جدید پریس لاہور

سال اشاعت ————— ۱۹۸۶ء

تعداد اشاعت ————— ایک ہزار

مطبع ————— رومی پرنٹرز - لاہور

قیمت ————— ۱۵/- روپے

تقسیم کا

المعارف گنج بخش روزنامہ

مکتبہ رضائے مصطفیٰ

چوک وارا اسلام گوجرانوالہ

اعوان پبلیشرز مارٹ - پیکوال



ایک دھماکہ خیز واقعہ

مولانا مودودی کی بیگم محفل میں لادیں۔

۱۰۰	علم و عقل کی صحیح رہنمائی
۱۰۲	ایک اور طمانچہ
۱۰۳	دل کا روگ
۱۰۴	سرحرہ حجاب و
۱۰۹	الصیال ثواب
۱۱۱	علم و دیانت کا خون
۱۱۲	فکری تضاد کی ایک دلچسپ کہانی
۱۱۵	داتا کی نگری
۱۱۸	قلم کا حق
۱۲۲	غلاف کعبہ کا جلوس
۱۲۷	مولانا مودودی کا دلچسپ جواب
۱۳۷	مولانا کوثر نیازی کا جواب
۱۴۲	بحث کا دوسرا رخ
۱۵۹	دارالاسلام کی بحث
۱۶۲	ایک آخری تازیانہ
۱۶۳	کلمہ طیبہ کے خلاف ایک نیافتن
۱۷۰	ایک ذہنی زلزلہ



## انتساب

ان لوگوں کے نام جو حق کو حق سمجھتے ہیں  
اور اس کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان اختلاف فطری نہیں ہے اور  
لازمی بھی۔ فطری اس لئے کہ انسان کے بولنے، چلنے، پھرنے، سونے  
جاگنے، اور کھانے پینے پر آپ جتنی چاہیں پابندی لگا لیں لیکن سوچنے  
پر آپ کوئی پابندی نہیں لگا سکتے۔ اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی  
اپنی جگہ پر دو اور دو چار کی طرح مسلم ہے کہ سوچنے کی آزادی ہی۔  
اختلاف کو جنم دیتی ہے کیونکہ ہر شخص کے ذہن کی ساخت الگ الگ  
ہے اس لئے سوچنے کا انداز بھی الگ الگ ہوتا ہے کوئی صحیح سوچتا  
ہے اور کسی کی عقل غلط سوچتی ہے یہیں سے اختلاف رائے کی بنیاد  
پڑتی ہے۔ اگر دنیا کے سارے انسان ایک ہی رُخ پر سوچتے تو زندگی  
کے مسائل میں نہ طرح طرح کے بحثوں کا دروازہ کھلتا اور نہ اتنے  
مذاہب فکر وجود میں آتے۔

اور لازمی اس لئے ہے کہ اگر حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان  
اختلاف نہ ہو تو صحیح و غلط حق و باطل کا امتیاز ہی ختم ہو جائے پھر حق  
کو بھی حق کہئے اور باطل کو بھی حق۔ صحیح کو بھی صحیح کہئے اور غلط کو بھی  
صحیح۔ اور اس کا غلط ہونا محتاج ثبوت نہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان  
اختلاف فطری ہیں ہے اور لازمی بھی۔ تو اتنا اور کچھ بھیجے کہ کسی بھی  
میں اختلاف و اتفاق کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ اعتقاد کا ہے



اور دوسرا درجہ عمل کا اعتقاد ہے میری مراد دل سے حق کو حق سمجھنا اور باطل کو باطل یقین کرنا ہے اور عمل سے میری مراد کسی چیز کے حق ہونے کا جو تقاضا ہے اسے اپنے گفتار و کردار سے پورا کرنا ہے۔ مثال کے طور پر حق کا تقاضا ہے کہ اسے باقی رکھا جائے۔ اسے لوگوں کے درمیان پھیلایا جائے اور ہر طرح اس کا احترام کیا جائے اور باطل کا تقاضا ہے کہ اسے مٹایا جائے اسے لوگوں کے درمیان پھیلنے سے روکا جائے اور اس کی تذلیل کی جائے اپنی ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے تو اس کا فریض ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مٹا دے اور اگر ہاتھ میں اتنی قوت نہیں ہے تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر اتنی بھی سکتا اس کے اندر نہیں ہے تو اپنے دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے آخری درجہ ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حق کو حق نہ سمجھنا اور باطل کو باطل نہ قرار دینا یہ انسانی عقل و فکر کی سب سے بڑی شقاوت ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑی شقاوت یہ ہے کہ حق کو حق مان لینے کے بعد اپنے قول و فعل سے اس کا انکار نہ کیا جائے اور باطل کو باطل قرار دے لینے کے بعد اپنے گفتار و کردار سے اس کی مذمت نہ کی جائے۔

اعتقاد و عمل کے درمیان اس طرح کا تضاد دوست و جہاد کی لالچ

سید چوہدری بابا علیہ السلام و چوہدری بابا علیہ السلام ۔ چوہدری بابا علیہ السلام و چوہدری بابا علیہ السلام ۔  
چوہدری بابا علیہ السلام و چوہدری بابا علیہ السلام ۔ چوہدری بابا علیہ السلام و چوہدری بابا علیہ السلام ۔  
چوہدری بابا علیہ السلام و چوہدری بابا علیہ السلام ۔ چوہدری بابا علیہ السلام و چوہدری بابا علیہ السلام ۔  
چوہدری بابا علیہ السلام و چوہدری بابا علیہ السلام ۔ چوہدری بابا علیہ السلام و چوہدری بابا علیہ السلام ۔

اور دشمنی منفعت کی طمع سے پیدا ہوتا ہے۔ مدینہ کے منافقین بھی اسی رذالت کا شکار تھے۔ دل چونکہ کفر کا گرویدہ تھا اس لئے اندر سے مشرکین عرب کے حامی تھے لیکن اہل اسلام کا غلبہ دیکھ کر دشمنی منافقات کی لالچ میں وہ زبان سے کلمہ بھی پڑھتے تھے اور نمازوں کے لئے مسجد میں بھی آتے تھے آخر ایک دن قرآن نے ان کے دوشے پن کا بھانڈا بھوڑ دیا اور ہمہ ملا اعلان کر دیا کہ وہ صرف زبان سے رسالت کی شہادت دیتے ہیں دل کا عقیدہ ان کی زبان سے ہم آہنگ نہیں ہے اس لئے وہ اپنے کلمہ شہادت میں چھوٹے اور قریب کا رہیں۔

بہت دنوں تک وہ اپنے دل کے نفاق کے ساتھ مسلم معاشرہ کا ایک حصہ بن کر زندگی گزارتے رہے لیکن حق کے ساتھ باطل کا یہ اختلاط خدا کو پسند نہیں آیا بالآخر ایک دن رسول پاک ﷺ نے ان کا نام پکار پکار کر بھری مسجد سے انہیں لکھوا دیا تاکہ حق ہمیشہ کیلئے واضح اور محفوظ ہو جائے اور باطل کی آمیزش سے اہل حق کا معاشرہ بھی گندہ نہ ہو۔ یہ تھا اسلام کا وہ ٹکھڑا ہوا سونا جس کی آب و تاب سے دنیا کی آنکھیں خیرہ ہو کے رہ گئی تھیں۔

بڑے تعلق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ عصر حاضر میں نفاق کا یہ مرض دبا  
 کی طرح پھیل رہا ہے۔ دولت و عباد کی لالچ اور دنیوی مفادات کی طمع  
 میں حق و باطل کا امتیاز نہ لگا ہوں سے اوجھیں ہوتا جا رہا ہے اور انکھوں

[illegible]







گرمہ سو سو روپیہ - کتب (۱۰) کفار ہندو اور مسلمانوں کے درمیان  
 کی طرح کھول کر دیکھ کر ان کے اندر ایک شیعہ اور ایک سنی دیکھیں گے۔  
 مگر ایک گروہ ان کے سوا بھی ہے۔ مسلمانوں کا گروہ۔

تغزیرات قلم کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ آمادگی کے باوجود  
 اپنی گونا گوں مصروفیات کے باعث ہم اب تک موقع نہیں نکال سکے کہ  
 اسے ترتیب دیکر پریس کے حوالے کریں۔

آج جیب کہ یہ کتاب طباعت کے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے  
 میں اہل سنت کے عوام و خواص دونوں طبقے سے اپیل کرتا ہوں کہ اسے  
 زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ہمارے یہاں  
 فرقہ ہائے باطلہ کے رد و ابطال پر ایک سے ایک کتابیں موجود ہیں۔ لیکن  
 اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ انداز بیان کی شگفتگی اور طرز استدلال  
 کی دلکشی کے باعث اس کتاب کو وہ طبقہ بھی بطیب خاطر پڑھ لیتا ہے  
 جس کی اصلاح ہمارے پیش نظر ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی  
 ہدایت نصیب ہو گئی تو میرے لکھنے کی اور آپ کے پڑھانے کی محنت  
 وصول ہو جائے گی۔ صلی اللہ علیہ وسلم خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و صحبہ و حزبہ اجمعین  
 ہے مد نظر اسل میں اصلاح مفاسد  
 نشر جو کتاب ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

### ارشاد القادری

مکتبہ عام فور - جمشید پور (بہار)  
 ۲۰ فروری ۱۹۸۴ء

یہ کتاب بیانِ اربعہ دلکشی قیامات پر مشتمل ہے اور اس میں اربعہ  
 چوتھی سیدہ و سیدہ باقیہ و سیدہ سکون اور سیدہ سکون کے بارے میں  
 اہل حق کی چند حدیثیں لکھی ہیں۔ یہ کتاب ارشاد القادری مدظلہ  
 اعلیٰ سے منقول ہے۔ کتب خانہ "اور" لاہور میں  
 شائع ہوا۔ تصانیف کتب خانہ سکون کے حوالے سے جاری ہے۔

یہ ایک لطیفہ ہے جو صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے۔ اس میں اربعہ  
 چوتھی سیدہ و سیدہ باقیہ و سیدہ سکون اور سیدہ سکون کے بارے میں  
 اہل حق کی چند حدیثیں لکھی ہیں۔ یہ کتاب ارشاد القادری مدظلہ  
 اعلیٰ سے منقول ہے۔ کتب خانہ "اور" لاہور میں  
 شائع ہوا۔ تصانیف کتب خانہ سکون کے حوالے سے جاری ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### ماہنامہ فاران کراچی

فاران کے ایڈیٹر جناب ماہر القادری صاحب جس کا زاد سے تعلق رکھتے  
 ہیں اس کی ایک آخری نشانی اب بھی ان کے نام کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ تاہم  
 کا لفظ جو ان کے نام کا ایک جزو بن چکا ہے وہ واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرنا  
 ہے کہ جس ماحول میں انہوں نے آنکھ کھول لی وہ ادنیٰ قدر عقیدت کا پر نور  
 گوارہ تھا۔ ماہر صاحب ہی گواہ ہیں پروان چڑھے اور ایک غریب تک ان ساری  
 روایات کو حق بجانب سمجھتے رہے جو ان کے بزرگوں سے نہیں ورثے میں ملی تھیں عشق  
 عقیدت میں ادب ہے جو کسی ماحول کے زیر اثر ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک شعرا بینک  
 حافطے میں محفوظ ہے۔ بارگاہ رسالت میں سلام کا خراج عقیدت پہنچاتے ہوئے  
 انہوں نے لکھا تھا ہے

سلام اُس بر کہ جس کا نام بیکر اُس کے شیدائی  
 الٹ دیتے ہیں تاج قیصریت تخت دارائی

لیکن اب ماہر صاحب کیلئے بکند کے فیضان سے "موجد" ہو چکے ہیں اب

سے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ و اہل بیت و سیدہ سیدہ سکون و سیدہ سکون  
 علیہم السلام و سیدہ سکون و سیدہ سکون و سیدہ سکون و سیدہ سکون







مصر میں احمد خان، پیر پور میں احمد خان، مکران میں احمد خان، کہ چھوٹے احمد خان  
 حیدر آباد میں احمد خان، حیدر آباد میں احمد خان، حیدر آباد میں احمد خان  
 حیدر آباد میں احمد خان، حیدر آباد میں احمد خان، حیدر آباد میں احمد خان  
 حیدر آباد میں احمد خان، حیدر آباد میں احمد خان، حیدر آباد میں احمد خان

پارسیوں، یہودیوں، مسلمانوں وغیرہ کے یہاں سے آئے ہیں۔ جن کو دین  
 اور کاروبار میں رہا گیا ہے اور جن کے خلاف اہل بدعت ایک لفظ بھی  
 سنا گوارا نہیں کرتے۔ (فتاویٰ رضویہ)

کچھ ہے جس آب ایک مخور خرابی کی طرح قلم کی سرکشی کا عالم! —  
 خوش عقیدہ مسلمانوں کا رشتہ کاروں اور بہت پرستوں کے ساتھ جوڑتے  
 ہوئے موصوف کو ذرا بھی خلق محسوس نہیں ہوا۔ دنیا کے ۵ فیصد مسلمانوں کو  
 اس سے زیادہ سخت کوئی گالی نہیں دینی جاسکتی کہ جو روایت و تہذیب انھوں نے  
 اپنے بزرگوں سے ورثے میں پائی اس کے متعلق ریلوے دیا جائے کہ وہ ہندوؤں،  
 عیسائیوں، پارسیوں اور یہودیوں کے گھر سے بھیک میں ملتی ہے۔ گویا اب ہم اپنے  
 اسلام میں غلط نہیں ہے بلکہ منافقین کے کردار کے حامل ہوئے ہیں اور معاذ اللہ  
 ہم نے کبھی سے اپنا رشتہ توڑ کر کلیسا اور بت خانے سے نااطہ جوڑ لیا ہے۔  
 اتنی سخت گالیوں کے بعد بھی موصوف کی آتش غیظ سرد نہیں ہوئی اب  
 وہ خوش عقیدہ مسلمانوں کے خلاف اپنے مجاہدین کو لٹکارتے ہوئے کھتے ہیں۔

اہل حق علماء اپنے مسلک کی کھلی گردنے کی پر جلیغ کرتے ہیں مگر علماء اور  
 وعلیہ اس مسلک کے مخالفین اور جو تو ردا داری اور اختلاف کے  
 خوف سے اور کچھ اس وجہ سے کہ عوام مسلمانوں میں ان کی پروا کمزور اور  
 مقبوضت کو کلیس گئے گی ان بدعت و خرافات کی اپنے سوا کچھ اور نظر نہیں  
 جس تردید نہیں کرتے۔ (فتاویٰ رضویہ)

یہ یہودیوں کی بدعت تھوڑی سی اور مسلمانوں کی بدعتیں ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو  
 کہ ان کے مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔  
 یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔

یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔  
 یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔  
 یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔  
 یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔

اہل حق کے خلاف تلواریں بے نیام کرنے کے لئے اب عذاب آخرت کی جگہ  
 کا اندازہ ملاحظہ فرمائیں۔

توحید و سنت کی اشاعت و تبلیغ اور بدعت و شرک کی تردید کی ذمہ داری  
 ہر اہل ایمان پر عائد ہوتی ہے جس سے جو کچھ ہو سکتا ہے اسے کرنا چاہئے  
 اور ان مسائل میں سکوت اگر بڑا اور صریح نظر اور چشم پوشی کی انتہا تھلنے  
 کے یہاں جو اہل حق کی ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ)

عشق و بہان کے مظاہر اور بزرگان اسلام کی متواتر روایات کے خلاف  
 ماہر صاحب دل کا جیغ بکھنے کے لئے اتنے اقتباسات بھی بہت کافی ہیں۔

## جماعت اسلامی اپنے کردار کے آئینے میں

بہت بڑا شہاب لاہور کے ایک شمارے میں جماعت اسلامی پاکستان  
 کے محکمہ نشر و اشاعت کے سربراہ مسٹر نعیم صدیقی کی ایک تقریر کا اقتباس شائع ہوا  
 موصوف اور مشا و فرماتے ہیں کہ۔

اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے ناچیز اور کوتاہ کا۔ لوگوں کو اس دور اور اس زمانے  
 میں اپنے دین کی خدمت اور اس کی تبلیغ و ترویج کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ قرآن و حدیث  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کو اختیار فرماتا ہے اسی طرح کچھ لوگوں  
 کو اپنے خاص کام کے لئے چھانٹ لیتا ہے اور ان کے لئے کوئی سعادت مقرر فرما  
 دیتا ہے۔ (شہاب ۲ دسمبر ۱۹۶۶ء)

یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔  
 یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔  
 یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ یہ وہ بدعتیں ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔



روایات و احادیث

جماعت اسلامی کا عقیدہ توحید

اشیاء از چوب و پنبه و شیشه

[illegible]

(درستو العباد و کتاب التضرعات للشيخ عیاض)



اور عبادت کہتے ہیں خدا کی تعظیم و تشوہی کے لئے کوئی کام کرنا۔

(مستور و معلوم، کتب و کتاب، المقدمات لعمیر جاتی)

اس لحاظ سے اس کا وجہ اس کی تمام نقل و حرکت اس کا ہر قول و فعل ہر وقت خدا کی تسبیح میں ہے کہ اس کی پوری ہستی خدا کے امکان و وحدت سے پاک ہونے کی ایک خاصوش شہادت ہے۔ چنانچہ مفسرین اسلام نے قرآن کی اس آیت کو اسی مفہوم پر محمول کیا ہے۔

اَللّٰهُ مَوْلَانَا اَللّٰهُ يَكْفُلُنَا  
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
مَنْ لَا يَمْلِكُ شَيْءًا سِوَاكَ  
اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ

حضرت علامہ مہتمم دینی علیہ الرحمۃ دار عنوان اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے مرتبہ ذات میں زمین و آسمان کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے یعنی زبان حال سے اپنے خالق کے پاک و منزہ ہونے کی ہر وقت شہادت دیتی ہے۔ اصطلاح شرع میں اس تسبیح کا نام تسبیح قدسی ہے۔ تسبیح کا یہ مفہوم انسان کی ہر حالت پر صادق آتا ہے۔ عام ازیں کہ وہ کفر کی حالت میں رہے یا ایمان کی حالت میں وہ بلا قصد و اختیار ہر وقت خدا کی تسبیح میں مشغور ہے۔ بظاہر عباد کے کہ اس کا مفہوم انسان کی صورت ہی حالت پر صادق آتا ہے جبکہ وہ جب تک تعظیم و تشوہی کے لئے اپنی خواہش نفس کے خلاف کوئی کام کر رہا ہو۔

نہا ہر بہت کہ کفر و انکار اور بقدر اندک کے سجدہ و زانوئے کی حالتوں میں خدا کی تشوہ و تشوہی کا تمام کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بت پوچھنے والے پتھروں کے آگے سجدہ کر نیوالے اور خدا کے ساتھ کفر کر نیوالے کے متعلق یہ کہنا ہرگز

صحیح نہیں ہے کہ وہ ان حالتوں میں بھی خدا کی عبادت کر رہا ہے جس طرح وہ خودوں کا ایک محل میں جمع ہونا محال ہے اسی طرح اس دعوے کی صحت بھی قطعاً ناممکن ہے۔

علامہ ادریس مولانا مودودی کا یہ نظریہ قرآن کی ان بیشمار آیتوں سے متضاد ہے جن میں مشرکین اور اصنام کے پرستاروں کے متعلق برہان کیا ہے کہ وہ خدا کی عبادت نہیں کرتے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود و مخلص بنایا ہے۔

وہ سورہ کافرون میں تو بار بار صاف ہی مفہوم کی تکرار ہے کہ تم جس کی عبادت کرتے ہو ہم اس کی عبادت نہیں کرتے، ہم جس کے پرستار ہیں تم اس کے پرستار نہیں ہو۔ انھوں نے سورہ مودودی کے اگر بت کا بکاہی بھی خدا ہی کا عبادت کر رہا ہے تو قرآن نے اتنی شدت کے ساتھ اس کا انکار کیوں کیا ہے۔

ہر حال یہ سن بھی کہ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ ایک ہی جنبش قلم میں مولانا مودودی نے تو حید و ایمان کی بساط الٹ کر رکھ دی ہے۔ اور دشمنان کے ہر ایک نظریے سے کم و بیش ایک لاکھ ۲۰ ہزار ایسی کرامت کی پوری تائید کیا کہ کوئی ہے۔ جب اپنا ہی ذہن سب کے ٹکڑے تو قرآن کی آیات اور رسول کے (موجودات کی کون پر واکرنا ہے۔ تسبیح کیا ہے کسی عبادت حق نے کہ علم کا لفظ پندار ایک ایسا ٹھکانہ آواز ہے جس کی لاکھوں سے کلمات پائنا بہت مشکل ہے۔

نگاہ پر بوجھ نہ ہو تو مولانا کے ذہن رسا کا ایک اور غیر ناک تائید کے سامنے پیش کر دوں۔ یہاں تو مولانا نے عبادت و توحید کے مفہوم میں اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ شرک کی عبادت بہت پرستی کو خدا پرستی اور شرک کو خدا کا



بند فابستار مانتے ہوئے بھی نہ انہی کا عقیدہ تو حید مجروح جوابت اور نہ عبادت کے ستون پر کوئی حشر کیا ہے۔ لیکن یہی مولانا مودودی انبیاء اولیاء کے ان عقیدت مند مسلمانوں کو جو ظاہر سے باطن تک ہر مذہب کے تمام سر و مل میں ہوشیاری میں موجد ہیں، عابد اور تکبر گو ہیں، بیدار بنے شرک سمجھتے ہیں مولانا کی نظر میں نہ ان کا کلمہ اکل ہے نہ ان کی عبادت، عبارت ہے نہ ان کی تو حید، تو حید ہے اور نہ ان کا اسلام، اسلام ہے۔

ذرا فکر کی پیڑھی ملاحظہ فرمائیے کہ کوئی مشرک جو کہ بھی خدا کا بندہ پرستار  
اور وہ خدا کے بندہ پرستار جو کہ بھی مشرک ہیں یعنی کوئی مشرک جو کہ بھی مشرک  
نہیں اور وہ مومن جو کہ بھی مشرک ہیں۔  
ثبوت کے لئے مولانا کی مندرجہ ذیل تحریریں ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد و قادر کے خدا کی تہ  
تقانی پر گئے وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء  
و اولیاء و شہداء و صالحین مجاہدین و قضاہ و ابدال و علماء و مشائخ و فضلاء و اولیاء  
کے خدا کی پوری کائنات کو کسی طرح غافل رہا۔ اپنی جاگ بجا کائنات پر تکیہ نہ کیا۔ وہ موقوف  
نے شریعت کے خداؤں کو چھوڑ کر ان ایک بندہ کو خدا بنا لیا۔

الحمد لله رب العالمين

سوائے چل کر پورنی وضاحت کے ساتھ اس شرک طبعی کی نشاندہی اور الفا  
ہیں کہ غلطی ہے۔

[illegible]

مشاوران پر جا پات کی جگہ قائم کرنا اور ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ تعلقات کو مضبوط بنانا۔  
 ان کے لیے مناسب مواقع فراہم کرنا اور ان کی صلاحیتوں کو بڑھانا۔  
 ان کے لیے مناسب مواقع فراہم کرنا اور ان کی صلاحیتوں کو بڑھانا۔

اسی کتاب میں اردو سے ہر مقام پر اسی سے بھی زیادہ وضاحت کے  
ساتھ نکل انشائی فرماتے ہیں۔

باجیت شکر کا نہ ہے خواہم پر ملے کیا اور توحید سے ہٹا کر انکو خدات کی  
 بیشمار راہوں میں بھٹکا دیا، ایک صریح کثرت پرستی تو یہ ہو سکی ہائی کہ  
 تسم شکر کی ایسی نہ رہی جس نے تسلیاں میں رواج نہ پایا ہو۔  
 برائی جائی تو ہم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے وہ اپنے ساتھ  
 بہت سے شرک کا نہ تصورات لے چلے آئے اور یہاں انکو صرف قرآنی تکلیف کوئی نہ  
 سر پر نہ سمجھو اور انکی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ عبید و حکماء کی کہیں پڑے  
 عبیدوں اور بھٹانوں کی جگہ مقابر اور مائے کام ہیں۔  
 اگر تکبیر و احیاء خدات

از کتب و اسناد

مطلق انسان زمان و مکان کی طرح نہ تھا بلکہ مطلقاً انسان ملاحظہ فرمائیے !  
ہستان و اختر اور کوہ قاف کا ہمارے پیٹا دیکھ کر کوئی ہنسے تو میں اعتراض  
کرتا ہوں کہ مولانا اس ہنس میں اپنا جواب نہیں دیتے۔ دنیا کا کوئی مسلمان سچہ  
ایثار و قربانی کو اپنا معبود سمجھتا ہے۔ اور احسان کی جگہ قبول کی پست تر کرتا ہے  
اس طرح کا کوئی فریضہ مسلمان مولانا سچہ دہری کی دنیا سے خیال میں ہوتا تو وہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



واقعات کی دنیا میں ہرگز نہیں ہے۔

خدا کا محبوب و مقرب بندہ محمد کو بزرگوں کے مقابلہ کی زیارت اور روحانی استغاضہ اور مقصد میں ہر قسم کے آثار کا تحفظ اگر مولانا کے نزدیک بہت پرستی ہے تو میں عرض کروں گا کہ ذرا پیچھے پیٹ کر دیکھئے یہ جاہلیت مشرکوں کی نہیں خود اپنی اسلام کی یادگار ہے۔ خود قرآن نے تمام ایسا ہیمنہ پیش کر دیا ہے۔ خلیفہ علیہ السلام کو مسجد کا نہ مارا اور صفادہ مردہ کو اپنی بنائے کا حکم دیا۔ یہ تعظیم بزرگوں کے عقیدے پر اپنی فکر تو شیخیت فرمادی ہے۔

پھر جن مزارات و مقابر کو مولانا سودودی منہ خانے سے تعبیر کرتے ہیں ان کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کسے کہاں سے؟ ظاہر ہے کہ وہ حضرت مولانا صاحب دواک ہو یا مزارات دہلی بیت بھائیہ اولیائے عرب کے مقابلہ شریف ہوں یا علم کے ایہ کچھ آج نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ عہد صحابہ سے بیکراۃً عقیدہ میں مشائخ و محدثین اور فقہائے اسلام کے دوستوں جس دن کسی مغرب خاندانی کو سپرد خاک کیا گیا اسی دن سے اس کے مدفن کی حفاظت شروع ہو گئی۔ اسکی تربت کے نشانات کو باقی رکھنے کے لئے آمد گردھائیں کا پہرہ پہنایا۔ یہاں تک کہ اس مزار کی حفاظت و آزادی کا اہتمام قرن اول سے شروع ہو کر بعد میں آنے والے صحابہ امت تک ہر قابض اعدا و دور میں ہوتا رہا۔

عائدین اسلام کی مربوط اسسلسل اور متواتر جد و جہد کے بعد کہیں جا کر آج ہمیں عہد قدیم کے ایک مزار کی زیارت نصیب ہوئی۔ اگر زیارت اور روحانی استغاضہ بہت پرستی تھی تو بتایا جائے کہ چورہ سو برس کی عویں بہت کم

ہر حال کو باقی رکھنے کے لئے ایک عظیم اہتمام کا مقصد کیا تھا اور کیوں تھا۔ اور وہاں تھا براہی اسلام کی طرح اس کے نشانات بھی مسٹ گئے ہوتے اور یہ عقیدت کا یہ ساما ہنگامہ شوق و جود ہی میں کیوں آتا۔

اس لئے ماننا پڑے گا کہ اکثر دالوں کا مزار چورہ سو برس کی اسلامی تھا ایک محفوظ اور قابلِ فخر سرمایہ ہے۔ جو ان روایات پر زبان طعن و راز کرتا ہے وہ چوری تارنگ اسلام سے نہ صرف پوری دنیا کو بدگمان کرانا چاہتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ ان ساری اودار میں تو یہ خالص کے اقتدار کا ایک دور کبھی اسلام میں گزرا ہے۔

پھر جاہلیت مشرکانہ گمراہی و طمات پر جو حملہ آور ہوئے اس کا حوالہ تو اس پر نہیں بلکہ خواص پر ہے۔ دینی تارنگ کے لاکھوں ٹکڑے ہوئے اور راق پرانے بھی لڑے۔ اور اسلام کے مقتدر پیشواؤں کی ایک تعداد دینے والی لہر سے تھامے گئے۔ یہ بھولنے والے مزارات اخیار و اولیاء کی زیارتیں ہیں ان کے جوار میں سامانِ دین تک متکف رہے اور ان سے روحانی استفادہ کیا۔

اگر ہی کا نام شرک ہے تو چھوٹے دیا جائے کہ اسلامی تاریخ کے سارے حقائق علماء و مشائخ کو مشرک تسلیم کر چکی ہیں نسبت یہ تسلیم کرنا زیادہ آسان اور آسان قیاس میں ہے کہ مولانا سودودی اپنی اس راستے میں نظام جارحانہ فکر پہلے ہیں۔ ایک نشان یا چہرہ انسانوں کی نگاہی گمراہی نہیں بلکہ امر و اتقوا لیکن گمراہوں انسانوں کی مسلسل متواتر شدادہ مراد گمراہی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔



اور پھر مولانا سید محمد رفیع جتوئی نے اپنی بشارت تحریروں کی روشنی میں ماضی کے  
وہابی علم پر پوری سے اپنا رشتہ اٹھا کر منقطع کر لیا ہے کہ انکی اپنی حیثیت بھروسہ کرنا  
کے لئے اس سے بھی زیادہ کوئی سنگین الزام تراشی نہیں تو ان سے بلیہ کی کیا؟  
وہ قلنا ایسا کر سکتے ہیں بلکہ کرتے رہتے ہیں لیکن جو لوگ ماضی کے رجاں علم  
تقویٰ پر کھلے اعتراف کرتے ہیں اور رسالت کے پیغمبران سے ہر وہ بند ہونے کے لئے  
انھیں درمیان کی لازمی کڑی سمجھتے ہیں وہ ہرگز اس طرز فکر کو بدداشت  
نہیں کریں گے۔

اس کے علاوہ ایک دوسری نگرانی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محمود عباسی نے  
اسکی حوالوں سے واقعہ گرہ کی جو صحیح تصویریں پیش کی ہے اسے پڑھنے کے بعد تمام  
ایمانی جنگیں عقیدت بالحق لغو اور گمراہ کن معلوم ہوتا ہے۔  
اس نے آپ شہید کر بلا نہیں ہیں اس کتاب سے پیدا شدہ شکوک و شبہات کا  
گروہ فرما دیں تو میں فواز شہزادی ہوئی۔ اور میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس عظیم خدمت  
کو نے آپ کو شہید بنا جو رہے ہوں گے۔

## جواب نامہ

مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ

کس دل آزا کہ کتاب کا آپ نے نام لیا۔ خدا اس کے شرے مسلمانوں  
کو محفوظ رکھے جس زمانے میں یہ کتاب شائع ہوئی تھی اس زمانے میں علماء حق  
نے اس کی سطر سطر کی دھجیاں اڑا دیں۔ ترتیب مقدمات طریقہ استدلال،  
حجج کے استخراج اور حوالہ کتب میں مصنف کی صریح بددیانتی، شرمناک  
بیانت اور حسین دشمنی کا سارا پردہ فاش کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد یہ سوال کیا  
نہیں پیدا ہوتا کہ وہ کتاب کس پایے کی ہے اور مسلمانوں کو اس پر اعتماد کرنا  
چاہیے یا نہیں؟ غیب ہے کہ لوگوں کے حافظے میں اس کی گراہ کن یاد تو اب تک  
باقی ہے لیکن اس کی تردید میں کئی ہزار صفحات پر مشتمل جو لٹریچر شائع ہوا تھا  
اس کا کوئی ذکر نہیں۔

بہر حال اب اسکی تردید میں قلم اٹھانے کی اگرچہ چنداں ضرورت باقی

## کر بلا کے بعد دوسرا حملہ

مسوال سوال:

اب جناب شکیل احمد صدیقی۔ بھکرہ سٹی

مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔  
جام نور مکتبہ۔ اسلام علیکم  
جام نور کے کئی شہادتے نظریات گزرتے۔ اپنے گہرے تاثرات کے انھیں  
کے لئے یہ دعائے نیک سنا بہت کافی ہے کہ خدا اسے نظر بد سے بچائے۔ شہید کر بلا  
نہر کے مسلمانوں سے ہمارے شہر کے مذہبی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اور  
کائنات کاٹے نہیں کٹ رہی ہے۔ ایک ضروری اقتدارشہزادی ہے کہ ہمارے یہاں  
کتاب "فلانت مفاویہ ویزیر اور انیس کی حمایت میں دیوبند کے رسالے پڑھ کر



نہیں ہے بلکہ آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کے چند اہم گوشوں پر ایک  
تہیہ اور علمی تنقید سپرد تادم کر رہے ہوں مجھے امید ہے کہ اس کا مطالعہ اس کتاب  
سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کے اثرات کے لئے مفید ثابت ہوگا

پوری کتاب میں محمود عباسی صاحب کی حیثیت یزید کی طرف سے  
صفائی کے دیکھیں اور امام علیہ السلام کے حق میں ایک نرہ حق مقابل کی ہے  
وہ کہ بلا کے خوش واقعات کی کوئی ذمہ داری یزید یا اس کے اہل کاروں کے  
سر نہیں اٹانا چاہتے۔ انہیں اس بات پر اصرار ہے کہ حادثہ کربلا کا تمام تر  
ذمہ دار خود حسین قافلہ ہے۔ شہزادہ رسول کو نکو دست واقعات کا حصہ کر لیا  
کے میدان تک لے گیا اور انہی کے گیمپ کے چند آھیوں کی پھل پیدا چانک یہ  
حادثہ پیش آیا۔

اپنے باطن کے لئے تاریخ کی ہر کتابوں کا بار بار حوالہ دیکر لکھنے  
نے عوام پر اپنی تاریخ دانی کی دھواں بجائی ہے اس میں علامہ ابن حجر  
البندایہ والنجایہ اور علامہ ابن خلدون کا مقدمہ تاریخ خاص طور پر قابل  
ذکر ہیں۔

آج کی صفت میں اس حقیقت کا نقاب الٹ کر ہم قارئین کو جویرت  
بنا دینا چاہتے ہیں کہ تاریخ کی ساری کتابوں میں عباسی صاحب کے ہونے پر زور  
ملانے کے لئے سب سے زیادہ مواد انہی دو کتابوں میں موجود ہے چنانچہ البدایہ  
والنہایہ کے مصنف اپنی کتاب میں سرگز کربلا کی داستان کا آغاز کرتے ہوئے

یہ سرخی قائم کرتے ہیں۔

وهذا لا صفة مقتل سرضى الله عنه ما خود من كلام  
الله هذه الشان لا كما يزعمه اهل التشيع من ان كتاب  
العصبة واليهتبان (ج ۱ ص ۱۰۲)

یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات شہادت کی  
سرگزشت ہے جو اس حق کے لئے گرام کی روایات سے ماخوذ ہے شیخ  
نے واقعات کربلا کے بیان میں جس طرح کے انفرادی خیالات کا کام  
لیا ہے یہ کتاب اس طرح کے نقائص سے پاک ہے۔

اس عبارت سے کتاب کی ثقافت اور اس کے درجہ اعتبار کی طرف اشارہ  
کرنا مقصود ہے کیونکہ عباسی صاحب نے درقی درقی یہی روایات اور موضوع  
روایات جیسے الفاظ کا ترجمہ استعمال کر کے ہر اس روایت اور ہر اس واقعہ کا  
انکار کر دیا ہے جس سے یزید اور اس کے ساتھیوں کے کردار پر کسی طرح کی  
چوٹ پڑتی ہے۔

ایک اہم ترین سوال جو سرگز کربلا کی پوری داستان کا جوہر ہے اور جس کی  
اس میں پر موجودہ تاریخ کا لہجہ انکھڑا ہے یہ ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ  
اور اہل بیت کا قاتل کون ہے۔ میگزین صفحات سیاہ کر ڈالنے کے باوجود عباسی  
صاحب کا قلم اس حقیقت کے چہرے سے نقاب نہیں اٹھا سکا ہے کہ امام حسین اور



اہل بیت کے قتل و خونریزی میں کس کا ہاتھ ہے۔

تاریخ کے طالب علم کا ذہن ادب بھی اٹکھ کر رہ جاتا ہے جب وہ عباسیوں کی کتاب میں یہ پڑھتا ہے کہ زین العابدین قتل کا حکم دیا اور نہ اس سے راضی تھا نہ ابن زیاد کے دامن پر کوئی دامن ہے اور نہ ابن سعد کی تلوار پر کوئی دھبہ! یہاں پہونچ کر ذہن کی سطح پر بار بار یہ سوال ابھرتا ہے کہ جب شروع سے لیکر اخیر تک سب بے گناہ اور بے تعلق ہیں تو پھر کربلا کی خاک پر کیسی قافلے کے بہتر مسافروں کی لاشوں کا جو دھیر نہیں نظر آتا ہے آخر وہ کیونکر وجود میں آیا۔ میرا خیال ہے کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں یہاں کذب و افتراء اور دجل و فریب کا ایک انبار جمع کر لیا ہے وہاں اتنے جھوٹ کا اور اضافہ کر لیتے کہ سدا ز اشتر کر لیا میں پہونچ کر حسین قافلے نے خود کشی کر لی تو ساری مشکل حل ہو جاتی اور زین العابدین کے دامن کا جو غبار وہ آج اپنے چہرے پر مل رہے ہیں اس بلا و جہنمت کی نوبت ہی نہ آتی۔

زید کی حمایت کے جذبے میں وہ یہ نکتہ بھی نظر انداز کر گئے کہ قاتل کی طرف سے کوئی خواہ کتنی ہی صفائی پیش کرے لیکن قاتل کا ضمیر خود اپنی بیگناہی پر کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ سفاکی اور قہر و جور کا نشہ اتر جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ جرم کا احساس ملاست کرتا ہے بلکہ ندامت و پشیمان اور اندیشہ عقوبت ہمیشہ کے لئے ایک سزا دین جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی کتاب میں یہ بیکہ نفسیاتی واردات کی جو حالت بیان کی ہے وہ بالکل اس کی کاپی ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں۔

لما قتل ابن زیاد الحسیر ومن معه بعث برؤسہم  
الحی یزید فبقتلہ اذلا وحشت بل الاطاع منزلة ابن زیاد  
عند لا ثم لعربیت الا قلیلا حتی اندم۔

(البتدایہ ج ۲ ص ۲۳۲)

جب دین زیاد نے امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا اور ان کے مقتول سروں کو یزید کے پاس بھیجا تو ابتداً یزید نے امام حسین کے قتل پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور ابن زیاد کی قدر و منزلت اس کی نگاہ میں بڑھ گئی۔ پھر کچھ ہی دنوں کے بعد وہ اپنی گرفت پر نادم و شرمسار ہوا۔

اور پھر جب اندیشہ عقوبت اور ندامت و پشیمانی کی شدت اور بڑھ گئی تو ابن زیاد کے مظالم اور قتل حسین کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ ہوا تو یزید کھٹ حیرت منے لگا اور مستقبل کے وحشت انگیز امور کے تصور سے جو مزہ ہو کر ابن زیاد کو کوسنے لگا۔ علامہ ابن کثیر نے اس کے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔

فی بعضی بقتلہ الحسین و سہارانی قتل بہم  
العدا اولا فاجتبی لبروا القایوتلہا اسعظم الناس  
من تھلی حینا مالی دلائل من صر جانہ۔ (البتدایہ ج ۲ ص ۲۳۲)

اس نے جس قاتل کے لئے سزا دی تھی اس کی طرف سے دامن مٹا دیا۔



اور دین کے اصول میں میرے فطرت و اشتیاق کا بیج بڑا دیا۔ اب  
مجھے ہر ایک وجہ سے قیاس میں نہ لکھ گا، کیونکہ عام لوگوں کی فطرت میں  
میرے قیاس کو قیاس کہنا بہت بڑا عقابیت ہے، عید عید میرے اور دین میرا  
اور دین زیادہ کے جال پر۔

انسان کیجئے فطرتِ ناحق کے اس صاف دھڑکے اقرار کے بعد بھی تیرہ کی  
بیعت و صفائی میں کسی تاویل کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ جو چاہے گی  
زبانِ فخر و پیکار سے گا نہیں گا۔ یہ مصرعہ شاید اسی موقع کے لئے شاعر کے ذہن  
میں آیا تھا۔

عباسی صاحب کی اس کتاب میں جو بات سب سے زیادہ دھڑکے رہی ہے وہ یہ ہے کہ  
ان کی کتاب کا دائرہ یزید کی برکت و صفائی ایک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کا  
مقصود یہ ہے کہ مقابلے میں سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بچا دیکھنا اور  
نہیں خطا کا اور گنہگار کھڑا کرنا ہے۔ چنانچہ انھوں نے انتہائی شرمناک و بابرکت کے  
ساتھ شہزادہ و مولیٰ امام عالی مقام کی ذات پر بغاوت و خروج کا الزام  
عام کر دیا ہے اور نہایت غمخوئی کے ساتھ اس کے آگے آگے باغیوں کے بارے میں  
وعید و طعوت و سرا والی حدیثوں کا انبار جمع کر دیا ہے تاکہ غمخواری طور پر  
پڑھنے والا ہر محسوس کرے کہ ان ساری حدیثوں کا مصداق امام حسین کی ذات  
ہے اور اس کے نتیجے میں امام کی عظمت اگر کوئی قلم سے کوئی ہو تو کم از کم میری  
سب سے ضرور فرمائی۔

بنا فطرت تردید کہہ رہا ہوں کہ عباسی صاحب نے اپنی پوری کتاب اس اسلام  
اور مسلم مورخین کے مسلک اور نقطہ نظر سے آزاد ہو کر لکھی ہے۔ ان کا قلم تازگی  
صلوات کے تابع نہیں بلکہ پوری تازگی کو انھوں نے اپنے قلم کے تابع کر لیا  
جس واقعہ کا جہاں چاہا انکار کر دیا جس روایت سے ذہن مستحق نہیں ہوا  
اسے مٹا کر دیا، جو عبارت مدعا کے خلاف نظر آئی اسے غلط کہہ ڈالا۔ نہ قبول  
رہ کا کوئی معیار ہے اور نہ انکار و اقرار کا کوئی ضابطہ، ایک بدست شریانی  
کی طرح قلم ہے کہ ہلکتا پھر رہا ہے۔ ان حالات میں یہ کتنا قطعاً خلاف واقعہ نہیں  
ہے کہ عباسی صاحب نے ساتھ ساتھ کہہ کر بلا کی تازگی لکھی نہیں بنائی ہے۔

علم و تحقیق کے تازک ترین مراحل میں نیت کا اخلاص تو ایک لمحہ کیلئے  
بھی ان کا شریک عمل نہیں ہے۔ ان کے قلم کی روشنی میں جذبات کا عنصر اتنا  
غائب ہو گیا ہے کہ بے لاگ تحقیق کا نام و نشان بھی کہیں ملتا۔ یزید کے جذبہ  
حمایت میں جگہ جگہ انھوں نے طنز و کھین اور دہم و تیا میں کا جھوٹا سہارا لیکر  
جزم و یقین اور اذعان و اعتقاد کا دامن نہایت بیدردی کے ساتھ پھینک  
دیا ہے۔

مثال کے طور پر علامہ ابن خلدون کے متعلق عباسی صاحب اپنے دیباچے  
میں لکھا ہے۔

ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق  
مقدمہ تازگی میں بعض مشہور صحفی روایات کو نقد و ردایت سے پرکھنے  
کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تازگی کو



خزائن اور دایہ برذایات سے انکوں نے تعمیر کیا۔

و خلافت معاویہ و یزید

کہ بلا کی تاریخ پر قلم اٹھاتے وقت عباسی صاحب کی بیت اگر حیات ہوئی تو کم از کم یہ دیکھنے کی زحمت ضرور گوارا کرتے کہ خود ان کے سجدہ سرخ علامہ ابن خلدون امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقت اور یزید کی شہادت کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

اس موضوع پر علامہ ابن خلدون کے مقدمہ کی یہ عبارت پڑھئے اور سر دھنئے اور موصوت لکھتے ہیں۔

و اما الحسين فانه لما ظهر فسق يزيد خذ الكوفة  
من اهل عسرة بخت شيعة اهل البيت باذل كوفة  
ان ياتيه هرقموا باهلا فرائي الحسين ان الخروج  
عني يزيد متين من اجل فسقه لاسيما من اهل القاسية  
عني ذالك ولظنها من نفسه باهليته وشوكته (مقدمہ)

### ترجمہ

یعنی امام حسین کا معاملہ یہ ہے کہ یزید کا فسق و فجور جب تمام اہل زمانہ پر آشکار ہو گیا تو کوفہ کے محبین اہل بیت نے امام حسین سے درخواست کی کہ وہ کوفہ تشریف لائیں اور اپنا منصبی فریضہ ادا کریں۔ امام حسین نے بھی محسوس فرمایا کہ یزید کی نافرمانی اور اس کے فسق و فجور کی وجہ

اس کے خلاف اقدام اپنی جگہ مقرر و ثابت ہو گیا ہے خاص کر  
اس شخص کے لئے جو اس امر کی اپنے اندر قدرت رکھتا ہو اور اپنے متعلق امام حسین  
کا گمان تھا کہ وہ اس کام کے اہل ہیں اور انھیں اس کی قدرت حاصل ہے۔

کہ بلا میں امام کے ساتھ جو سرکہ قتل و عام پیش آیا اس کے متعلق علامہ  
کی یہ ایمان افروز عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

و الحسين فیه شاهد و ثواب و علی حق و اجتہاد  
یعنی امام حسین اپنے اقدار قتل میں شہید اور مستحق اجر و ثواب ہیں اپنے  
اقدام میں وہ حق پر اور یہ ان کا اجتہاد تھا۔

انصاف کیجئے: عباسی صاحب کے لئے امام عباسی مقام کے اقدام کی صحت پر اس  
زیادہ مستند شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟ عباسی صاحب میں ذرا بھی علمی دیانت کی  
خوبی ہو تو وہ خود غور فرمائیں کہ کیا امام عادل کے خلاف بغاوت و خود غارتی پر  
ثواب ملتا ہے اور اس ماہ میں جو قتل کر دیا جائے کیا اسے شہید کہا جائے گا  
اور پھر کیا اس صراحت کے بعد بھی کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کے خلاف  
اپنے اقدام میں حق پر تھے کسی بحث کی گنجائش رہ جاتی ہے۔

انہی میں علامہ نے ان لوگوں کے خیالات کا شدت کے ساتھ رد کیا ہے  
جو کہتے ہیں کہ امام حسین کے ساتھ یزید کا قتال و جہاد فتنہ بغاوت نہ ہو کرنے  
کی جہت سے جائز تھا اور یزید نے سرکہ کر بلا میں جو کچھ بھی کیا وہ اس کا  
شرعی حق تھا۔ ان خیالات کی تردید کرتے ہوئے علامہ تحریر فرماتے ہیں۔



وقد غلبت القاضی ابو بکر ابن عربی فی هذا المقال  
فی کتابه الذی سماه بالحواسم والقواصم ما حسن ان الحسین  
قد قتل بشیء جلیل وطریق حلیة فایه الغلطة عن اشعراط  
الامام العادل ومن العدل ان من الحسین فی شیهة فی امانته  
وعدالة فی قتال اهل الرضا (مقدم ابن خلدون ص ۱۰۰)

### ترجمہ

یعنی قاضی ابو بکر ابن عربی مالکی نے اپنی کتاب الحواسم والقواصم میں  
یہ کہہ کر سخت غلطی کی ہے کہ امام حسین اپنے نانا کی شریعت کے مطابق قتل  
کئے گئے غلطی کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے امام کے غلات کھڑے ہونے والے  
کے بر قتل کی جو سزا بخود کی ہے وہ اس شرط یہ ہے کہ وہ امام عادل ہو یعنی  
صاحب اس شرط کو نظر انداز کر کے سخت کھڑا کھالی ہے۔ حالانکہ ہمیں  
کے زمانے میں ملت کی امامت و سرداری کھٹے امام حسین سے زیادہ  
عادل و کامل اور سخی اور گن جو ممکن ہے۔

نے قاضی صاحب کے قول پر اعتماد کیا۔ لیکن یہ کوئی تعجب کی بات  
نہیں ہے اس طرح کی خیانت و تحریف اور علی نقی سے پوری کتاب  
والا مال ہے۔

علامہ ابن خلدون کے بیان عباسی صاحب کی شیش کردہ ان تمام  
حدیثوں کا صحیح معنی بھی متعین ہو گا جو امام المسلمین کے خلاف خروج  
و عدم سے متعلق عقربت و سزا کی وعیدوں پر مشتمل ہیں۔ یعنی وہ تمام  
حدیثیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو امام عادل کے خلاف خروج و تباہی  
یہ غیر عیسایہ سلطان مایہ کو ان حدیثوں کے دامن میں پناہ دیا ان حدیثوں  
کے مفہوم کو مسخ کرتا ہے۔

اب ذرا تاریخ کے آئینے میں یزید کی سیرت و کردار اور اسی کے  
جور و ستم کی شرمناک داستان ملاحظہ فرمائیے اور فیصلہ سمجھیے کہ کیا ملت  
اسلامیہ کے ایک امام عادل کی یہی زندگی ہو کہ علامہ ابن کثیر اپنی  
مشہور کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔ ناظرین کو یاد ہو گا  
کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں علامہ کی اس کتاب کا اکثر حوالہ دیا ہے

وقد روى ان يزيد كان قد اشترى بالمعاني فاشترى  
الخمر والقنار والعيذ، واشترى الفلجان والقيان،  
والكلاب والنكاح بين الكباش والدباب والقرد، و  
صامن يوحنا لا يصح فيه غمورا وكان يشترى القرد  
صل فرس صرحية، وشغل ولسوق، وبيع القرد  
فلان الذهب وكذا لك الغلمان وكان يسابق.

یہ وہی قاضی ابو بکر ابن عربی ہیں جن کی کتاب الحواسم والقواصم  
کا حوالہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۲ پر بڑے شدت کے ساتھ پیش کیا ہے  
لیکن ان کے معتد مورخ علامہ ابن خلدون نے ان کے استدلال کی جس شان سے  
دھجی اڑائی ہے اسے اپنے بھی دیکھ لیا تعجب ہے کہ اس کے باوجود عباسی صاحب



بین الخیل وکان اذا مات القنود حزن علیہ ۔

( البدایہ ج ۸ ص ۲۷۷ )

### ترجمہ

یعنی نقل و ردایت سے ثابت ہے کہ یزید سرودنہ ساز و راگ شراب نوشی اور سر و شکار کے اپنے زمانے میں بہت زیادہ مشہور تھا اور عمر راگوں لگانے والی دو شیرازوں اور کتوں کو اپنے گرد جمع رکھتا تھا ۔ سیگ والے لڑاکا مینڈھوں، سانڈھوں اور بندروں کے در بیان لڑائی کا مقابلہ کر داتا تھا۔ ہر دن صبح کے وقت بٹے میں غمور رہتا تھا۔ زمین کے ہوتے گھوڑوں پر بندروں کو اسی سے بندھوا دیتا تھا اور دھیرا دھیرا پھراتا تھا۔ بندروں اور عمر راگوں کو سونے کی نوپائی مٹاؤں سے گھوڑوں کے در بیان دوڑ کا مقابلہ کر داتا تھا۔ اور جب کوئی بندر مر جاتا تو اس کا سوگ مناتا تھا۔

الصفات کیجئے ! اسی کی قوت پر آج حیرہ سوریس کے بعد عباسی صاحب دوا بلا بجا رہے ہیں کہ امام حسین نے یزید کو ملت اسلامیہ کا اسیر و خلیفہ نہیں تسلیم کیا۔

عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۹ پر یزید کے خضاکن مجموعہ شمار کرانے کے لئے البدایہ کی جو نامقام عبارت نقل کی ہے وہ اتنے ہی پریش ختم ہوئی ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔

وکان فیہ ایضا اقبالی علی الشہوات وتوکل فی الصلوات

وامانتہا فی غالب الاحوقات ۔ ( البدایہ ج ۸ ص ۲۷۷ )

یعنی یزید کے اندر شہوتوں اور نفسانی خواہشات کا بہت زیادہ میلان تھا اور بعض نمازوں کے ترک اور اکثر اوقات ان میں غفلت کر دینے کی عادت تھی۔

یہاں تک تو عباسی صاحب کی کتاب کا ایک تنقیدی جائزہ تھا لیکن اب مسئلے کی اصل نوعیت آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ معرکہ کربلا کی تاریخ میں پیدا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح موقف سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ صراطِ حقیقی امام المسلمین کی اہمیت و تحقیق کے سلسلے میں ایک اصولی بحث ذہن نشین کر لیں مسئلہ علامہ ابن حزم اپنی مستند کتاب "المحلی فیہ" میں فرماتے ہیں۔

وصفة الامان ان يكون مجتنباً للکبار و مستترا

بالصفات و عالماً بما يخصه من السياسة لحيطة الذي

حکفہ بہ ۔ ( المحلی ج ۲ ص ۲۷۷ )

یعنی امام کی شان یہ ہے کہ وہ کبار سے کھل اجتناب کرے اور صغار کا اظہار نہ کرے۔ حسن سیاست اور نہ بر ملاک کی خصوصیات اور بھی طرح جانتا ہو کیونکہ وہ اپنی باتوں کا مخفی ہے۔

اس کی چند صفروں کے بعد ایک اصولی بحث کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔



فان قالوا على الاطلاق ان النفس شئ من هو خير منه او مثله او دور  
توكلوا كلهم معه لسوا ذكرنا قبل او لا ان يكون جائرا فان كان  
جائرا اقام عليه مثله او دورته توكلوا كلهم معه لسوا ذكرنا  
قبل او لا ان يكون جائرا فان كان جائرا اقام عليه مثله  
او دورته توكلوا معه القائلون انهم متكررون اذ اظهرت ان قائل  
عليه اعدل منه وجب ان يقال مع القائلين انه تغير متكرر  
في الحقل لا بن عزيم ج و ك

توضیح

پس اگر قریشی امام کے خلاف ایسا شخص کھڑا ہو جو اس سے بترہ ہے یا اس کے  
شمال ہے یا اس سے کمتر ہے تو ایسی صورت میں چاہئے کہ ماریے مسلمان متحد  
ہو کر اس کھڑے ہوئے والے کے خلاف جنگ کریں الا آنکہ وہ قریشی امام ظالم  
ہو۔ پس اگر امام ظالم ہو اور اس کے خلاف ایسا شخص کھڑا ہو جو ظلم و  
جور میں اس کے شمال ہے یا اس سے کمتر ہے تو ایسی صورت میں بھی ماریے  
مسلمانوں کو متحد ہو کر اس کھڑے ہونے والے کے خلاف جنگ کرنی چاہئے  
کیونکہ وہ خود ظلم و جور اور شر و فساد کا حامل ہے اور اگر ایسا شخص کھڑا  
نہ ہو امام ظالم کے مقابلے میں عادل اور نیکی کا رہو تو چاہئے کہ ماریے  
مسلمان اس کے ساتھ ہو کر ظالم امام کے خلاف جنگ کریں۔ کیونکہ کھڑا  
ہوئے والا شر کو مٹانے اور غیر کو فساد دینے کے لئے کھڑا ہوا ہے۔

شر کو مٹانے ملت کی تظہیر کا سبب مشکل کا ہے۔ اس راستے میں تفریح اور فلم دیکھ دیکھ کی ایسی قیامتیں ہوتی ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنا سب کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ راولپنڈی اُنسی مردان حق اور وفادارانہ سرفروشی کی جوانی بھیلی پر جان کا تھرا لے لے ہو سکے اپنے گھر سے نکلتے ہیں اور شریعت کے ناسخوں کے لئے سرکھانا نہ نرگی کی معراج سمجھتے ہیں۔

اسی حقیقت کی طرف سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہی حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

ما نضل الجہاد کلمۃ حق  
عند سلطانی جائز

سب سے بہتر یہاں وہ کلمہ حق ہے  
جو کسی ظالم یا دشمن کے سامنے کہاجائے

دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں ۔

من سرای منگوره نگرانی غیره بیرون رفتن لایق  
قبلا نه درون لایق نه بیرون و ذالک از ضعف الاحسان  
(در تفسیر)

تمہیں ہے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے  
اپنے دل سے مل دے اور اگر اس کی نصرت نہ ہو تو چاہئے کہ زبان  
سے اس کی نصرت کرے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو چاہئے کہ  
دل سے اسے بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے آخری درجہ ہے۔



جس گھر سے دین کا چشمہ پھوٹا اور دین کا چمن سرسبز و شاداب ہوا۔ دین کی تعلیم کی ذمہ داری بھی اسی پر سب سے زیادہ تھی۔ زمانہ گواہ ہے کہ وقت نے انھیں نہایت در و در کے ساتھ پکارا اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ انھوں نے اس کی پکار کا جواب دیا۔ اور بلا ریب وہ اس اعزاز کے مستحق تھے۔ عباسی کے مستند مورخ علامہ ابن خلدون کی صراحت گزر چکی ہے کہ ملت کی امامت و قیادت کے لئے حسین کے زمانے میں حسین سے زیادہ عادل و کامل اور کون ہو سکتا تھا۔

کربلا کے پورے سفر نامے میں یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہے کہ زیدی عہد حکومت کے مفاسد کی اصلاح اور ملت کی تعلیم ہی امام علی نقی کا بنیادی منصب العین تھا۔ چنانچہ مرقعہ کی حراست میں عذیب دقادیہ کے راستے سے کربلا کی طرف چلے وقت امام نے جوتا زکینی خطبہ دیا تھا وہ آج بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اقدام کا پس منظر سمجھنے کے لئے خطبے کا لفظ لفظ ضمانت ہے۔ ذیل میں اس کا ایک اقتباس پیش ہے اور ذہن کو گزشتہ سباحث کے ساتھ مستفہر رکھئے۔ امام نے اپنے قائلے کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

ایھا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
قال من ساءى سلطانا جاشرا متحلا حرم اللہ فانک  
لعید اللہ مخالفنا السنة رسول اللہ یعمل فی عباد  
بالاشر والعدوان فانہ یطیر ما فلیہ بفعل ولا قول

بسم اللہ علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ الاوان  
هو لا قد لک موافقة الشیطان وشرکوا طاعة  
الساکنین والظہر والفساد وعطوا الحد وروا شرا  
بالفی واخلوا حرام اللہ وحرموا حلالہ وانما حق  
من لایک (کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۴۷)

### ترجمہ

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ اس نے خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر دیا ہے، عہد الہی کو توڑ دیا ہے، سنت رسول کی مخالفت کر دی ہے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم و عدوان کا معاملہ کرتا ہے اور یہ باری باتیں دیکھنے اور سننے کے بعد بھی وہ اپنے قول و فعل سے شر کو شاکر اپنا فرض پورا نہ کرے تو اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کو اس کے ٹھکانے تک پہنچا دے۔

غور سے سنا کہ ان زیدیوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور خدا کی بندگی کو چھوڑ رکھا ہے ان لوگوں سے ہر طرف بیداری اور بیداری کا نفاذ برپا کر دیا ہے اور شریعت کی تعزیر کو معطل کر دیا ہے اور سرکاری مال کو اپنے ذاتی مفاد پر خرچ کر رہے ہیں۔ اور خدا کے حرام کو حلال اور اس کے حلال کو حرام



کر دیا ہے اور ان پر نیز یہی طریق کے شر کو مٹانے کا سبب زیادہ تحقیق  
مجھے حاصل ہے۔

گذشتہ اور اسی میں امام المستنین کی اہمیت اور عقل کے جو اثرات  
ان نظام بادشاہ کے خلاف اقدام کے جو اصول علامہ ابن خزم کی عبارت  
کے حوالے سے نقل کیے گئے ہیں اب ذرا اس کی اسپرٹ میں غلطی کے  
الفاظ پر غور کیجئے اور یہی لاگ ہو کر انصاف کیجئے کہ کیا اب بھی یہ  
بیسے سلطان جائیداد کا شکار شخص کے خلاف امام عالی مقام کے اقدام  
کو غلط کہا جاسکتا ہے اور کیا اب بھی انہیں اسلامی نظام حکومت کا  
باغی ٹھہرانے کے لئے معلم و تحقیق اور دلیل و بیان کا کوئی بکا سا  
سہارا بھی مل سکتا ہے۔ اس طرح اعتقاد کو شک و شبہ کی  
مذہم جسارت تو کہہ سکتے ہیں لیکن علم و تحقیق کا تقاضا ہرگز نہیں  
کہا جاسکتا۔

بحث کے خاتمے پر اس سوال کا جواب دینا ہم بہت ضروری سمجھتے  
ہیں کہ ان صحابہ کرام کے بارے میں ہم کیا عقیدہ رکھیں۔ بخود سے نزدیک  
کے خلاف تعبیر ملت اور تعبیر شکر کی مہم میں عملاً سرکار امام حسین رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ نہیں دیا اس سلسلے میں الگ سے کچھ کہنے کے  
بجائے علامہ ابن خلدون کا جواب نقل کر دینا ہم زیادہ مفید اور قابل  
اعتماد سمجھتے ہیں جسے انہوں نے اپنے مقدمہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ  
نہر و قلم فرمایا ہے۔ علامہ ارشاد فرماتے ہیں :-

واما غیر الحسين من الصحابة الذين كانوا بالخيار  
والشام والعراق ومن التابعين لهم فرأوا ان  
الحق في علي بن ابي طالب فاسقاً لا يجوز له ان يثأر  
عنه من الهياج والدمار فاصبروا عن ذلك ولم يثأروا  
الحسين ولا نكسوا عليه ولا اثنوا لانه مجتهد  
امسوة المجتهدين ولا يذهب بك الفلطة ان تقول  
بثأرهم هو لا وبغالفة وتعود صدم من الضرر لانه  
عن اجتهاد منهم (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۱)

### ترجمہ

لیکن امام حسین کے علاوہ بعض صحابہ و تابعین جو مجازہ و شام اور عراق میں  
تھے ان کی رائے بھی گریز پر اگرچہ فاسق دنا میں ہے لیکن نقل و غور  
کے باعث اس کے خلاف کسی طرح کا اقدام صحیح نہیں ہے اسی وجہ سے علماء  
اکھوں نے امام حسین کا ساتھ نہیں دیا اور نہ جہاں تک امام حسین کے  
اقدام کا سوال ہے اس کے برحق ہونے سے کبھی انہوں نے انکار نہیں کیا اور  
انہوں نے اس سلسلے میں امام حسین کو خطا کار و گنہگار نہیں بلکہ وہ مجتہد  
تھے اور مجتہد کی یہی شان ہوتی ہے۔ اور اس غلطی سے کبھی ہمیشہ کے لئے پکنا کہ امام  
حسین کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے صحابہ و تابعین کا گنہگار کو کیونکہ ان کا  
موقف بھی اجتہاد ہی کے نتیجے میں تھا۔



اس عبارت میں تین نکتے خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

پہلا۔ یہ کہ تفسیر ملت کی اس عظیم الشان مہم میں بعض صحابہ کرام کی اس عداوت و شرکت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ بزرگ کی عبارت سے سطوتیں اٹھاتے بلکہ ان کی مصلحت یہ تھی کہ امیر کو معزول کرنے کے لئے جن وسائل کی ضرورت تھی وہ اس وقت میسر نہیں تھے۔ اس لئے بے سرو سامانی کی حالت میں اس طرح کے اقدام سے سوائے اس کے کہ قتال و خونریزی ہو اور کوئی نتیجہ ان کی نگاہوں میں متوقع نہیں تھا۔

دوسرا۔ یہ کہ اگرچہ بعض صحابہ اس راہ میں عملاً حضرت امام حسین کی رذالت سے دست کش رہے لیکن کبھی بھی انھوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط و گنہگار نہیں سمجھا اور نہ ہی ان کے اقدام پر کسی طرح کا اعتراض کیا۔

تیسرا۔ یہ کہ سرکار امام حسین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجتہد تھے صحابہ کی نگاہ اسباب ظاہری کے نقد ان اور مصلحت کے تقاضوں پر تھی وہ صحیح وقت کا انتظار کر رہے تھے اور سرکار حسین کا نظریہ یہ تھا کہ تفسیر ملت کی مہم میں کسی طرح کی پیش قدمی کامیابی کی ضمانت پر موقوف نہیں ہے اپنی مصلحت کے مطابق اقدام ہی ہمارا فریضہ ہے، نتائج کا کفیل خدا کے قدم پر ہے۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہتے رہیں تاکہ خوب و ناخوب کا امتیاز کئے نہ پائے۔

غرض دونوں کی نگاہ دین کی مصلحت اور شریعت کے مفاد پر تھی دونوں بزرگ کی نااہلیت پر متفق تھے۔ اختلاف صرف وقت کے

قصین میں تھا۔ اور چونکہ دونوں گروہ درجہ اجتهاد پر فائز تھے اس لئے ان میں سے ہر ایک کی شکر اپنے فیصلے میں آزاد تھی۔





## حامیان یزید کی نقاب کشائی

انشاء جناب احسن سرشید علی۔ آگرا۔

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ جام نوب۔ کلکتہ

میں شرم و خوار آپ کا رسالہ ہر ماہ ہماری آنکھوں کی آسائش کا سامان فراہم کرتا ہے۔ خیر اس کی عمر دراز کرے دعائے نگارش یہ ہے کہ اس وقت میں آپ کو ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ امید ہے بار خاطر نہ ہوگا۔ ہمارے حلقہ احباب میں آجکل ایک مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ آج سے چند سال پیش ”خلافت معاویہ و یزید“ کے نام سے محمود عباسی نے جو کتاب لکھی تھی اور جس میں یزید کو برسر حق کہا گیا تھا اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت ناروا الزامات لگائے گئے تھے۔ اس کے متعلق کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت و حمایت میں دیوبندی حضرات بھی پیش پیش تھے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر یہ الزام سرتاسر بے بنیاد اور غلط ہے۔ خود دارالعلوم دیوبند کے مستتم قاری طیب صاحب کے اس وقت اہل بیت کی حمایت میں ایک کتاب لکھی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات اہل بیت اہل بیت سے حمایت دہ

حقیت رکھتے ہیں۔

آپ اس سلسلے میں اگر فیصلہ دے سکیں کہ کس کی بات صحیح ہے اور کس کی بات غلط! تو ہم آپ کے بعد ممنون ہوں گے۔ کیا اس بات کے لئے کوئی قابل اعتماد ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے کہ دیوبندی حضرات اہل بیت رسول سے قلبی کدورت رکھتے ہیں اور ”خلافت معاویہ و یزید“ نامی کتاب کی اشاعت و حمایت کے الزام میں وہ واقعتاً ملوث تھے۔

## جواب دہ

مکرمی ۶ سلام مسنون!

غائب مسئلہ کی بات ہے کہ اہل سنت کے مایہ ناز خلیفہ حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی ایڈیٹر پاسبان آباد نے ”کر بلا کا مسافر“ کے نام سے ”خلافت معاویہ و یزید“ کے جواب میں اہل سنت کے مشاہیر اہل قلم کے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا۔ اس موقع پر مولانا موصوف نے ایک سوانح نامہ کے ذریعہ ملک کے تمام مشاہیر علماء اور مستند دانشوروں سے ”خلافت معاویہ و یزید“ کے متعلق رائے طلب کی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ناموں کی فہرست میں دیوبندی جماعت کے چند علماء کے نام بھی تھے۔ یہ اعلان جب میری نظر سے گزرا تو میں نے مولانا موصوف کو ایک طویل مراسلہ بھیجا تھا جس کی نقل اب تک میری فائل میں موجود ہے۔



انکے سے آپ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے میں اپنے اسی خط کو جواب نامے کے طور پر شائع کر رہا ہوں۔ اس خط میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے آپ معاومہ کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ خط پڑھ کر علمائے دیوبند کے ساتھ آپ کے حسن ظن کی بنیادیں مستحکم ہوں گی۔ بغیر نہیں رہ سکیں گی۔ خط کی نقل یہ ہے۔

مکرمی حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی

مدیر ماہنامہ پاسبان۔ لاہور

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے جواب میں "کر بلا کامیاب" کے اعلان کے ساتھ جو کشتی مراسلہ آپ نے شائع کیا ہے اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" پر علمائے دیوبند سے بھی آپ رائے حاصل کر رہے ہیں ذہن پر گراں بار نہ ہو تو اس سلسلے میں ذیل کی چند معروضات ملاحظہ فرمائیں۔

محض عقیدہ و مسلک معلوم کرنے کی غرض سے کسی خاص مسئلے پر علمائے دیوبند کی رائے طلب کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے لیکن قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں اب ان کی رائے کی قیمت ہی کیا ہے۔ بعض تو جو رائے دینی تھی اودت ہوئی وہ دے چکے۔ اس باب میں ان کا مسلک عقیدہ اب کسی نئی دریافت کا محتاج ہی کہاں ہے۔ اور بالآخر حق و باطل نے کتاب خلافت معاویہ و یزید کے متعلق آپ کے موقف کے ساتھ الفاظ

رائے کا اظہار کر بھی دیا تو کیا دنیا کو آپ یہ باور کرا سکیں گے کہ درجہ اولیٰ عقیدہ و مسلک بھی یہی ہے۔

میری نگاہ میں اس سوال کے چند یقینی اسباب ہیں جنہیں ذیل میں پیش کر رہا ہوں۔

کتاب خلافت معاویہ و یزید سے متعلق دیوبندی فرقے کا جماعتی اور گروہی نامہ "انجمیہ" دہلی کے ایڈیٹر کا شذرہ غالباً آپ کی نظر سے گزرا ہوگا اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

ابھی حال میں پاکستان سے معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گزری ہے اور جو اپنے موضوع پر استفادہ عقائد اور مورخانہ ہے کہ اس سے بہتر و سیرج کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

(اشاعت موز ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

غور فرمائیے کیا اب بھی دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور کیا اس خوش منہی کے لئے اب کوئی اب کوئی کنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی تائید و حمایت میں وہ پیش پیش نہیں ہیں۔

مستند نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زبان پر



ہو بہار میں دیوبندی جماعت کی امارت شریعہ پھلوا رہی شریف  
کا آگے پندرہ روزہ نقیب ملت معاویہ دینے کی تائید کرتے ہوئے  
لکھا ہے۔

ملائے دیوبند کی بدولت دعوت کی اشاعت نے اپنی حقیقت پر  
پروہ اٹھایا، جناب محمود عباسی کی یہ کتاب خلافت معاویہ دینے  
اسی احقاق حق کی آخری کوشش ہے۔

اشاعت مورخہ ۱۹۵۹ء

شاہد شاہ بابا دودھو سر پر چڑھ کے بولے۔ اب ہی کہے کہ اب اس میں  
کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ اس طرح کے احقاق حق کی آخری کوشش نہ تھی اولین  
کوشش تو ملائے دیوبند کی طرف ضرور منسوب ہونی چاہئے۔ انھوں نے  
بنیاد رکھی عباسی نے ایوان کھرا کیا، اب اول یا آخر نیستے وارد کے اھول  
پر ناموس بن بیت کے خون سے اگر دونوں کے ہاتھ رنگیں نظر آ رہے ہیں  
تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔

چند سطور کے بعد پھر نقیب لکھتا ہے۔

یہ کہ ہم حسین کی لہجہ کے ناکس ہیں میں نے کہ وہ سلطان تھے تاہم تھے اور میں  
دلائی کی بات پر صحابی تھے اور جس بات کو حق سمجھا گا میں میں اجتہاد کی غلطی  
ہوئی اس بات کے لئے مردانہ داور جان دیدی۔

نقیب پھلوا رہی اور کتبہ شریف

اس سے بڑھ کر فضیلت و عقیدت کا اعتراف اور کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسین  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان تھے۔ باقی رہا ان کا صحابی ہونا تو یہ متفقہ طور پر ثابت  
نہیں ہے۔ واضح رہے ہوٹلی کوڑھی اور عناد کی بھی۔ امام عالی مقام کی کوا  
اقدس پر اجتہاد کی غلطی کا الزام نہ رکھتے ہوئے نقیب کے مدبر کو کم از کم ذمہ دار  
سوچنا چاہئے تھا کہ وہ کس کیفیت کی سولی ہیں، کہاں شہزادہ رسول کی ہانکا  
عزت و جلال اور کہاں مہل و افلاس کے مارے ہوئے ناچیز ذرے ازہن  
کھولنے کی جسارت پر سرسٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ پروردہ آغوش رسالت کے متعلق جس  
جیسے کے خیالات اس قدر جارحانہ ہیں کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ  
معلوم کرنے کے لئے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے؟ اور کیا اس خوش فہمی  
کے لئے اب کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ دینے کی تائید میں  
جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اس کے پیچھے عناد کا جذبہ کار فرما نہیں ہے۔  
جہاں تک دل میں تو کیوں آئی نہ پاں پر

۳

ہست کم لوگوں کا ذہن اس عرف گیا ہو گا کہ خلافت معاویہ دینے میں  
دل آزار کتاب کی طباعت و اشاعت میں درپردہ کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔  
حیرت کا سامنا کرتے ہوئے سنئے کہ وہ دیوبندی جماعت کے ایک مایہ ناز اہل قلم  
اور مستند عالم ہیں۔ دوسروں کی روایت نہیں خود محمود عباسی نے اپنے ویساچے  
میں ان لوگوں کی بھرپور نقاب کشائی کی ہے۔ محمود عباسی کی یہ تحریک ملاحظہ ہو۔



محبی و محترمی جناب مولانا عبد المجید صاحب دریابادی مدیر صدق جدید  
نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ ذی القعدہ ۱۳۸۵ھ کو موصوفہ مدیر رسالہ تذکرہ  
جس فرمایا تھا کہ آپ کے "الحسین" پر تھوڑے کے عنوان سے جو سلسلہ مقالہ  
نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع، نافع اور بصیرت افروز ہے اسے کتب  
مورث میں جلد لائیکے۔  
دریاباد قاضی سجاد علی و زید صاحب

صدق جدید کے ایڈیٹر عبد المجید صاحب دریابادی چار سوسے پچھ  
اجنبی نہیں ہیں۔ یہ شیخ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب آنکھائی کے جانے  
پہچانے مرید اور رئیس الطائفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے قلیف و  
مستند ہیں۔ یہی حضرت ہیں جنہوں نے تھانوی صاحب کی منقبت میں "حکیم الامت"  
نام کی ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ تھانوی صاحب کی تربیت و صحبت میں  
اپنے مزاج کی تبدیلی کا حال بیان کرتے ہوئے انہوں نے دیوبندی مذہب  
فکر کے اندرونی ماحول کو جس انداز کے ساتھ بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ  
ہے۔ موصوفہ کا یہ نوشتہ غور سے پڑھئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ دیوبند کے کاتب و کلام اور ان کے من لیکے کلام سے  
بڑی دلچسپی تھی اور توحیدی سٹاپوں خشک و پدمزہ معلوم ہوتے تھے ایک  
عرصے سے صورت حال بالکل برعکس ہے۔ اب توحید ہی کے سٹاپوں سننے  
اور پڑھنے کا دل چاہتا ہے اور بڑے سے بڑے بزرگ کے لئے ان کی بشریت  
کا تصور اتنا غالب آجاتا ہے کہ ان کے کلام سے مذاقب میلاد نہ یاد دہی

نہیں ملتا۔ جو یہ ہے کہ ختم کلام میں بھی اب انہی سے دل بستگی باقی نہیں رہی  
مکملہ ۱۳۸۵ھ

تھانوی صاحب کی صحبت میں مجھ اسی اور مستقر بان حق سے ملنے  
اور بیگانگی کا یہ جذبہ یزوری اب تحقیق کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ اہل  
عبد المجید صاحب دریابادی کا گستاخ قلم ایک جگہ صیاب کرام کی حرمت پر  
بوں نشتر چلا رہا ہے پڑھئے اور حیرت ناز و اہ پر ماتم کیجئے۔

جب حضرات صحابہ تک نہ علمی معصیتوں سے محفوظ رہے نہ اجتہادی لغو  
سے آزاد رہے حضرات کا مرتبہ تو ان سے فروتر ہے (حکیم الامت ۱۳۸۵ھ)

دیکھ رہے ہیں آپ! یہ ہیں دیوبندی تربیت گاہ کے سند یافتہ فارغ  
اجن کی نگاہ میں صحابہ تک معاذ اللہ گناہوں میں غوث ہیں۔ وہ آج اگر امام  
حسین اور دیگر اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خدمت و شفیق پر دشمن  
کو فواج خمیں پیش کر رہے ہیں تو اس میں تلکب اور شکوے کی کیا بات ہے  
اور یہ صارف ہر اسی سیکہ سے گاہے جس کے کلید بردار جناب تھانوی صاحب ہیں  
جب ان کے قلم کے نشتر سے رسول پاک صاحب لوہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت  
حرمت محفوظ نہ رہ سکی تو صحابہ کرام اور اہل بیت ائمہ کی۔

دیوبندی تربیت گاہوں میں جب اسی طرح کا نہ ہر کشید کیا جاتا ہے  
تو آپ ہی غور فرمائیے کہ اس جماعت کے مستند جناب عبد المجید دریابادی کی  
گزشتہ کتاب صبح جو کر شائع ہوئی کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ



معلوم کرنے کے لئے کسی نئی دریافت کی ضرورت ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لئے اب بھی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی نامید و حمایت میں ان کے قلم سے اتفاقاً لکریں ہو گئی ہے۔  
 غلط نہ تھی دل میں تو کیوں آئی نہ ہاں پر

۳

یہ معلوم کر کے آپ کو انتہائی حیرت ہوگی کہ قاتل حسینؑ یزید کی عظمت و فضیلت اور دیانت و ہیگنا ہی ثابت کرنے کے لئے محمود عباسی نے اپنی کتاب میں حاسیان یزید کی جو شہادتیں پیش کی ہیں ان میں یورپ کے ناخدا ترس، محمد بن اور اسلام دشمن مورخین کے علاوہ دیوبندی جماعت کے شیخ المشائخ مولوی حسین احمد آجکھانی کا نام بھی سرفہرست ہے۔ گویا دشمن کے ہاتھ میں جو تلوار چمک رہی ہے وہ آپ کی عطا کردہ ہے۔

یہ قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

اس دعوے کے ثبوت میں خود محمود عباسی کا یہ حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ نے کتب میں لکھے ہیں اذبح شاہ ہے کہ معاویہ و یزید نے کاروائی کے نمایاں انجام دیئے تھے خود یزید نے جنتی بھی تارکین روایات مبالغہ اور کلمہ کے خلاف سے خالی نہیں۔ (مکتوبہ ج ۲ ص ۲۴۵)

ملاحظہ فرمائیے! یہ ہیں یزید کی طرف سے صفائی کے گواہ شیخ دیوبند! ذرا یہ چلے پھر غور سے پڑھئے گا۔ "غزیرہ کے متعلق بھی تارکین روایات مبالغہ اور آپس کے مخالفت سے خالی نہیں۔"

یہاں خود طلب یہ امر ہے کہ یزید کے متعلق تارکین روایات میں شہادت امام حسینؑ بھی ہے اور معرکہ کربلا کے دردناک مظالم بھی! محدث روایات میں اس کی اسیری و بے پروگی بھی ہے اور خاتم کعبہ کی بے حرمتی و اہل مدینہ کا قتل عام بھی! تھوڑے نوٹش و سرود و نغزات ترک فرمائیں اور اشاعت منکرات، غرض سچی کچھ تارکین روایات کے انبار میں ہے۔ لیکن مصلحت بالائے طاق رکھ کر اگر اس امر کی نشاندہی کر دی گئی ہوئی کہ ان تارکین روایات میں مبالغہ اور مخالفت کہاں کہاں ہے تو آج عباسی تشریح کی رحمت سے بچ جاتے اس سے زیادہ اور عباسی کا تصور ہی کیا ہے کہ اس نے اسی اجمال کی تفصیل اور اسی متن کی شرح کا نام خلافت معاویہ و یزید رکھ دیا۔

حرم کی خاک پہ لات و منات کیا کم ہیں

یہ کیا ضرور کسی برہمن کی بات کریں

یہ کہنا ملاحظہ ہو گا کہ اجمال و تفصیل اور متن و شرح 'دو لون' جگہ تکم کے پیچھے ایک ہی ارادہ ایک ہی زاویہ نگاہ اور ایک ہی جذبہ کار فرما ہے۔ حق صرف اتنا ہے کہ عباسی کا قلم اپنی ناخوابت اندیش گستاخی کا شکار ہو کر یزید کے قلوب کے لئے کانٹا بن گیا اور شیخ دیوبند اپنی مصلحت اندیش چالاک سے بے نقاب نہیں ہو سکے لیکن.....



نزدیک ہیں وہ دن کہ پس پردہ جلوہ

پابندی آداب تماشا نہ رہے گی

اب آپ ہی غور فرمائیے کہ اتنا سب کچھ جو جانے کے بعد بھی شہادت ہے کہ بلا کے بارے میں دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے کیا مزید کسی راستہ کا انتظار باقی ہے۔ اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لئے اب کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے جماعتی عقیدے کی ترجمان نہیں ہے۔

۵ نہ تھی دل میں ترکیوں آئی زبان پر

ایک نیا اثبات اور ملاحظہ فرمائیے اور خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس کی حقیقی تدبیر مجرمین کے چہرے کی گتے حیرت انگیز طریقے پر نقاب کشائی فرماتی ہے۔ محمود عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی تفصیر و خطا اور یزید کی تلامذہ و بیگناہی ثابت کرنے کے لئے جو نشانے قائم کیے ہیں وہ دور حاضر کے محدثین کی زبان میں ان کے ذہن کی کوئی نئی تخلیق نہیں ہے۔ آج سے پانچ سال قبل اس کی بنیاد دیوبندی فرقے کے مشہور مناظر اور ان کی تبلیغی جماعت کے موجودہ سربراہ مولوی منظور نعمانی صاحب کی ادارت میں ان کے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے صفحات پر چمکی ہے جو اسکے لئے اپنا الفرقان لکھنؤ ۱۹۵۳ء اور فرقان ستمبر ۱۹۵۳ء کے مضامین کا خلاصہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

(الف) اہل بیت کے سلسلے میں سلمان افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اعتقاد و عمل میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ہزاروں پہ بنیاد و پایا اہل بیت اور واقعہ کر بلا کو اہمیت دینے کی غرض سے گراہ لی گئی ہیں۔ (ب) امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذاتی عزت کے سوال پر شہید ہوئے۔ (صداۃ الشریعہ) (ج) امام حسین کا خیال غلط اور باطل تھا۔ (صداۃ الشریعہ) (د) یزید کے خلاف امام حسین کا اقدام بغاوت و خروج پر مبنی تھا۔ (صداۃ الشریعہ) (هـ) جن صحابہ کرام نے یزید کی بیعت سے انکار کیا یہ ان کا شخصی اجتہاد تھا۔ ٹھیک اس کے ایک سال بعد نومبر ۱۹۵۳ء میں لکھنؤ کے مشہور ادبی ماہنامہ "نگار" میں الفرقان کے مذکورہ بالا مضمون پر "واقعہ کر بلا کے عنوان سے کسی سنی اہل قلم کی ایک تنقید شائع ہوئی تھی۔ اس کی ابتدائی سطریں ملاحظہ فرمائیے اور قارئین کے رد عمل اور تاثرات کی یکسانیت کا تاثر دیکھئے۔

مضمون بالا کو بالاسنہاب پڑھنے کے بعد میں اور کئی ذی علم و دسترس اس نتیجے پر پہنچے کہ مضمون نگار اول سے اخیر تک حکومت بنی آدم اور خصوصاً یزید کی پوزیشن صاف کر دے اور امام حسینؑ کی عظمت کی مظلومانہ حیثیت اور احوال و زمانہ شہادت کا مرتبہ گھٹانے میں سامی و سہیہ ہیں اس لئے اگر ان کے مضمون کو حمایت یزید کے نام سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہیں۔ مضمون کے پہلے نمبر کو پڑھ کر بعض صاحبوں نے ان پر اعتراضات کئے تھے کہ حضرت امام حسین کے اقدام کے لئے



بغارت کا لفظ گویا سہتمالی کیا، نیز حضرت کا بیعت پر نہ گئے آباد و  
 ہوجانے اصحاب کا بڑی حد سے بیعت کر لینا اور بڑی حد کا حادثہ کہ بلا پر ٹکا کرنا  
 کس بنا پر لکھ دیا۔ ان اعتراضات کے جوابات انھوں نے دیئے ہیں  
 اس میں سے ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ وہ اسوی سلطنت کے طرفدار  
 میں ہیں۔ (ماہنامہ نگار مکتوبات بابت نومبر ۱۹۵۹ء)

اس کے بعد کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ تنقید نگار لکھتا ہے۔

انھوں نے اپنے نزدیک امام پر بڑا احسان کرتے ہوئے آپ کی خدمات کو  
 ترغیب کر دیا ہے مگر اس کو محض ذلت عزت کا سوال قرار دیا ہے حالانکہ  
 دوسری جگہ خود ان کے خیال کو باطل ٹھہرایا ہے۔ اب کہے کہیں کہ صحیح  
 مانا جائے۔ (نگار مکتوبات ماہ ستمبر ۱۹۵۹ء)

آخر کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیے۔

انھوں نے اپنے مضمون میں غایت جہاد سے حضرت کے اقوام کے  
 مشعل بنیاد کے لفظ استعمال کی ہے اور جب کسی شخص نے لوگوں کا تعاون  
 دیا تو اس کے بجائے تاویل رکھ کر کہی کہ اس کی آڑ ہے۔ (نگار مکتوبات ستمبر ۱۹۵۹ء)

اب آپ اپنا حافظہ اور اقلادہ کر لیجئے اور محمود عباسی کی خلافت معاویہ  
 پر بد اور الفرقان مکتوبات بابت اگست و ستمبر ۱۹۵۵ء کے مضامین و اخبارات  
 پر ایک منصفانہ نظر ڈال کر فیصلہ کیجئے کہ بڑی کی جہاد و جنگناہی اور سیدنا  
 امام حسین رضی اللہ عنہ کی تفسیر و خطا ثابت کرنے کے لئے عباسی نے جن خیالات  
 کا انداز کیا ہے کیا یہ وہی خیالات نہیں ہیں جنہیں آج بھی مسلمانوں سے  
 پانچ سال پیشتر دیوبندی جماعت کے ایک ذمے دار مطلقے نے مستخرج کیا تھا۔  
 یہاں تک کہ الفرقان کے دو مضامین پڑھنے کے بعد عجیب غم و غصے کے ہیں  
 تاثرات اس وقت بھی لوگوں کے قلوب میں پیدا ہوئے تھے جو آج خلافت  
 معاویہ و بزرگ کے مظالم سے حاسم اذبان میں پیدا ہو رہے ہیں۔

تجربات و تاثرات کی ان شہادتوں کے بعد اب اس حقیقت سے انکار  
 ممکن نہیں ہے کہ دونوں تحریروں میں ایک ہی تخیل ایک ہی طرز امتحان  
 ایک ہی انداز بیان اور ایک ہی لب و لہجہ اجمال و تفصیل کے ساتھ شکر ہے  
 فرق صرف اتنا ہے کہ الفرقان کی دل آزار تحریر کا احساس اس وقت  
 تک خاص حلقے میں محدود ہو کر رہ گیا تھا اور آج عباسی کا نشانہ پہنچی  
 نگارنگ میں پھیل گیا ہے۔

اب یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بڑی کی جماعت میں دیوبندی جماعت  
 کے آرگن الفرقان مکتوبات کی گرم جو خزانہ سبقت اور سیدنا امام حسین کے غم  
 جاد خانہ پیشہ کی کے بعد بھی کیا اس باب میں دیوبندی جماعت کی مزید  
 عقیدہ معلوم کرنے کے لئے اب مزید کسی نئے سوال کی ضرورت باقی رہ گئی ہے



اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لئے ذہن کے کسی گوشے میں جگہ مل سکتی ہے کہ خلافت مہادیہ و یزید ان کے جماعتی مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے۔

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زبان پر

(۶)

اور جگر کا خون جلا دینے والی خبر تو یہ ہے کہ دیوبندی جماعت کی طرف سے یزید کی حمایت اور امام عالم مقام کے خلافت جابر کا خیالات کا تصدیق اس پر کسی بس نہیں ہو جاتا ہے بلکہ حسین و عثمانی کے جذبے میں وہ اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے امام حسین کے اقدام سے ناواقف اور بیزاری کا رشتہ نبی محترم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ بھی جوڑ دیا ہے۔

تو ان کے لئے ملاحظہ فرمائیے اخبار الجفر لکھنؤ میں کے ایڈیٹر دیوبندی فرقے کے امام مولوی عبد الشکور کا کوئی تھے اور محرم ۱۳۵۵ھ کو اس کا کہ بلا غیر شائع ہوا تھا۔ اس میں ایک معنفون نگار باغیان خلافت کے خلاف وعید عذاب اور عقوبت و سزا الی حدیثوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

بقیہ تمام رد وایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح یزید کی مخالفت پر راضی نہ تھے۔  
در الجفر لکھنؤ باب ۱۳ ص ۲۵

معاذ اللہ یزید کی حمایت میں ذرا اس تحریر کا اثر اور اثر پر داروں کی ناپاک عبادت ملاحظہ فرمائیے۔ اس مغتری اور کذاب کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت کر کے اپنے نانا امان سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نافرمان کر دیا۔ ذرا غور فرمائیے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قلب نازک پر اس سے بھی زیادہ دردناک اذیت کی کوئی چوٹ لگائی جاسکتی ہے۔ فقوڈ با اللہ میں مشرور و سرا الفسہد آگے چل کر معنفون نگار نے چند وہ حدیثیں بھی نقل کی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ جب بندوں میں اللہ کی نافرمانی برپا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ باوجود ان کے دلوں کو اندر و غضب اور سخت گیری کے ساتھ ان کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور وہ انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔ ان حدیثوں کے بیان کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر انہیں لکھتا ہے۔ غون کی ان لکیر دن کو انکسار آنکھوں سے پڑھئے۔

یزید کو جو اس وقت کے مسلمانوں پر ایک عذاب الہی کا نمونہ تھا، ہرگز ہرگز برا کہنے کی اجازت نہیں۔ (الجفر ص ۲۵)

اس عبادت سے نامراد کی مراد یہ ہے کہ معاذ اللہ اس وقت تک کہ ان کے دل پہ بیتیں خدا کی نافرمانی کا جذبہ اس قدر پڑھا گیا تھا کہ خدا سے ان کی تعزیر کے لئے یزید جیسے جابر و سفاک بادشاہ کو ان کے اوپر سلا کر دیا



یہ ہیں شیعہ کے کہ جلا کے بارے میں دیوبندی جماعت کے دو چار حارہ خیالات ہیں کے ساتھ ساتھ ہی کی عقائد کی اہمیت بھی اہمیت کے لئے ہے۔ اب ایمان و عقیدت کی اسپرٹ میں آپ ہی انصاف کیجئے کہ اتنا سب کچھ منظر عام پر آ جانے کے بعد بھی اس باب میں دیوبندی گروہ کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے کیا اب کسی کسی دریافت کی ضرورت ہے اور کیا اس خوش فہم شخص کے لئے ایسا کوئی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے۔

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زبان پر

(۱۶)

شیعہ کے بلا شہزادہ گلگوں قیام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق دیوبندی جماعت کے یہ چار حارہ خیالات کچھ نئے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مذہبی پیشواؤں نے اپنی تصنیفات میں حمایت شد و بد کے ساتھ اپنے تبصروں کو امام عالی مقام کی بارگاہ اشرف میں خراج تو اب اور تکرار و عقیدہ تکسب پیش کرنے سے منع کیا ہے۔ بلکہ جذبہ شہادت کی اہمیت ہے کہ لوگ عشرہ محرم میں امام عالی مقام کی صحیح سرگزشت تسلیم و رضا اور تذکرہ واقعات شہادت کا زبان پر لانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ حوالہ کے لئے دیکھئے دیوبندی نرسے کے امام عظیم مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی کتابی شریعت نامی کتاب حصہ دوم ص ۱۵۲ اور حصہ سوم ص ۱۵۲۔

خالی اللہ میں ہو کر غور کرنے پر اس کی وجہ میں آتی ہے کہ یا تو

یہ لوگ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی عظیم المرتبت شہادت کو شہادت ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ امام المسلمین کے حالات و خروج و عبادت کی ایک شرعی تعزیر سمجھتے ہیں یا پھر زید کے جذبہ حمایت میں یہ اتنا بھی رد نہیں کر سکتے کہ امام و امیر و احترام کی درناک مظلومی اور رقت و گمراہی و اقتدار شہادت کا اظہار کر کے زید کے مظالم کی لرزہ خیز داستان منظر عام پر لائی جاسکے۔

بہر حال دم جو بھی ہو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان لوگوں نے اپنے اس جذبے کی شدت میں اتنا غلو کر لیا ہے کہ اب یہ ان کا مذہبی عقیدہ بن چکا ہے جس پر یہ سچ ہو کر جنگ تو کر سکتے ہیں لیکن اسے جو مان نہیں کر سکتے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ حضرت امام حسین اور ان کے رفقاء کے متعلق ان کا یہ چار حارہ عقیدہ جسے ملوث سے کر غلط تکسب نے اپنا مذہبی شعار بنا لیا ہے معلوم ہو جانے کے بعد بھی کیا اس باب میں ان کا اعتقادی موقف معلوم کرنے کے لئے اب مزید کسی سوال کی ضرورت ہے اور پھر کیا اس خوش فہم شخص کے لئے اب بھی کوئی گناہ نکل سکتا ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے جماعتی فکر و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے۔

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زبان پر

ایک غلط فہمی کا ازالہ | اس حقیقت سے غالباً آپ بھی انکار نہیں کریں گے کہ حالات کے دبانے سے



کی تائید کو مسلک و عقیدہ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اسے قابلیت اور پختہ اقدام یا سوتھ پرستی ضرور کہا جاسکتا ہے۔

مثالی کے طور پر حکومت دہلی اور ریاست پنجاب و بنگال کے میں غیر مسلم سربراہوں نے کتاب خلافت معاویہ و زیدہ کو ضابطہ کو کے حسن مصفاہ کر دار کا مظاہرہ کیا ہے ان کے متعلق یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ یہی ان کا مذہبی عقیدہ بھی ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ صحیح بات جو کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے کتاب کو ضبط کر کے اسے عامہ کے جذبات کا امتزاج کیا ہے۔

ٹھیک یہی صورت حال تھری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس قرارداد کی بھی ہے جسے انھوں نے خلافت معاویہ و زیدہ کی مذمت میں شائع کر کے مسلم رائے عامہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ زید کے مقلدوں میں نہیں بلکہ حسین کے حامیوں میں ہیں۔ لیکن ایک سوال جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا یہ ہے کہ جب دیوبند کے کتب فروش جو عقیدہ رکھتی دیوبندی ہیں کتاب کی اشاعت میں حصہ دار بن کر اسے مارکیٹ میں لے آئے تو اس وقت یہ خاموش تھے۔ جب دیوبند کے ماہناموں "تجلی" اور "اسلامی دنیا" نے اس کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ جب تبلیغی جماعت کے آگے انگریزوں نے اس کتاب کا موثر لب و لہجہ میں اعلان کیا تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ جب دیوبندی سیاست کے ترجمان الجمعیت دہلی نے کتاب

کی حمایت میں اپنا گمراہ کن تبصرہ شائع کیا تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ غرض دارالعلوم دیوبند کی دیوار سے لے کر لکھنؤ اور دہلی تک شہزادوں رسول کے خلاف ہر عیار طرف جارحانہ نعرے بلند ہوتے رہے اور ان کے قلم کا جیش تک نہ ہوتا۔ کہ بلا کے شہیدوں کا ناموس و دشمنوں کے ہاتھوں مجروح ہوتا رہا اور یہ سکون قلب کے ساتھ ان کی بے حرستی کا ناشادینکے رہے لیکن جب اس رسول کے خلاف دیوبندی اخبار و رسائل اور دیوبند کتب فروشوں کی جارحانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں رائے عامہ دیوبندی مذہب فکر کے حق میں شغل ہونے لگی اور یہ اندیشہ برپا ہو گیا کہ نہ تو فیصلہ کی مسلم عوام ٹوٹ کر الگ ہو جائیں گے تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کو اپنے ادارے کا مفاد خطرے میں نظر آیا اور فوراً انھوں نے اپنے عقیدہ و مسلک کی صفائی اس ایک قرارداد واد منقولہ کر کے ملک میں شائع کر دیا۔ قرارداد کی عبارت پڑھنے کے بعد ہر شخص یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ اس کے پس منظر میں حمایت حق کے بجائے اپنی صفائی کا جذبہ واضح طور پر کارفرما ہے۔ ثبوت کے لئے قرارداد کا یہ حصہ غور سے پڑھیے جو نمبر ۱۹۵۹ء کو دارالعلوم کے ایک جلسہ میں منقولہ کی گئی۔

دارالعلوم دیوبند کا یہ شاندار اجلاس جہاں اس کتاب سے اپنی غلطی اظہار کرتا ہے وہیں وہ ان مغربیوں کے خلاف بھی نفرت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے جنھوں نے اپنی کذب بیانی سے اس کتاب کو تحریف کیا۔



اخلاعت میں علماء دیوبند کا ایک دھڑا کر اور استعانت و برکت  
 کی تائید ہوا اور ان کے اس کر کے اخیال و خیال ویرانے اور  
 گریہ و زاری کا ثبوت و پاسہ اور اس عید کے علمائے دیوبند کا  
 پوزیشن کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔  
 بہار شرق و جنوبی ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ

### مستہم دارالعلوم دیوبند سے ایک بروست مطالبہ اگر کوئی

طلباء علمت و اخلاعت میں علماء دیوبند کا ہاتھ نہیں ہے اور فی الحقیقت وہ اسے  
 اپنا مسلک و عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہیں تو تمہیں حق کے نام پر ہم قاری طلب  
 صاحب مستہم دارالعلوم دیوبند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسباب جرم کا فراہمی  
 اور اعانت جرم بھی جرم ہے کے اصول پر گئے ہاتھوں تھا تو ہی صاحب کے  
 خلیفہ مولوی عبد المجاہد دریا بادی اچھے مکتوبات مولانا حسین احمد صاحب صدر  
 دیوبند اور انجمن تھنہ، نقیب پھلوا ری، الفرقان تھنہ، الخلیفہ و ثانی، شادی  
 رشید، مامناہ تھنہ اور اسلامی دنیا دیوبند کے خلاف بھی اسی سبب و لہجے  
 میں اپنی نفرت و بیزاری اور علم و غشے کی ایک قراءہ واد مستحکم کر کے ملک  
 کے اخبارات و رسالوں میں شائع کرادیں کیوں کہ ان میں سے بعض نے کتا  
 کی ترغیب و تدوین، مواد کی فراہمی، طباعت و اخلاعت اور تائید میں  
 ہنواں مختلف حصہ لیا ہے اور بعضوں نے اسکی طرح کے جہانہ خیالات اپنی

تقریروں میں پیش کرتے ہیں جو بالکل اورانی ہیں اس کے کچھ کچھ نونے سپرد  
 قلم کر چکا ہوں۔

اگر مستہم صاحب ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ہمیں یہ  
 کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے تو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ زیادہ دنوں تک  
 وہ عوام کی آنکھوں تک وصول نہیں ہو سکتے۔ قرأت پڑھنا کے نیچے  
 یہ لازمی مطالبہ پورا نہ ہوا تو عوام یہ فیصلہ کرنے میں قطعاً حق بجانب ہونگے  
 کہ قراءہ واد کا مقصد حق کی حمایت نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کے مالی مفاد  
 کے قفلہ کے لئے مسلمانوں کو ٹھٹھ سے بچانا ہے۔ جیسا کہ پڑوس میں رہنے  
 والے ایک واقعہ کا رد دیوبندی نا اہل نے خود اس کی شہادت دی ہے  
 ثبوت کے لئے قبلی کے ایڈیٹر مولانا عثمانی عامر کا یہ بیان پڑھئے۔

نکلا ہر جہ کہ جس ادا سے کا مدار ہی قوم کے پندے پر ہو اسے  
 حکمت و مصلحت کی توک و چاک درست کہنی ہی چاہئے۔  
 دیوبند تہنہ دیوبند بابت ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ

یہی نہیں دارالعلوم دیوبند کے مزاج شناس علماء کا تو یہاں تک کہنا  
 ہے کہ آج اسے جامعہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں ہے  
 اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ زید کے حامیوں کی مذمت میں قرآن و  
 شائع کی جائے، کلی اگر خدا انوارت اسے عامر زید کے حق میں پلٹ



چاہئے تو دارالعلوم کے ارباب محل و عقد کے لئے تعلقہ کوئی امر مانع نہ ہوگا کہ وہ  
اسی لب و لہجے کے ساتھ قاضیان میں کی مذمت میں بھی کوئی آثار و اد  
مشعل کر دیں۔ حوالہ کے لئے ذیل کا اقتباس پڑھئے۔ قرار داد ہی کے کو حوالہ  
پر بحث کرتے ہوئے مولانا عثمانی لکھتے ہیں۔

وہ دین مستم دارالعلوم دیوبند، نہایت ضابطہ و منزل ہیں انہیں  
جہاں پر حیرت انگیز حد تک قابو ہے۔ وہ جب جہاں میں موجود  
پر جہاں ایک ہی لب و لہجہ میں بات کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کل اگر  
معاہدہ کا تقاضا یہ ہو کہ اس قرار داد کے بانٹیں جو یزپاس  
کی جانتے تو ان کا قابو یا نہ قلم اسے بھی نہایت اہمیت ان سے ان  
تو سگوار لب و لہجہ میں ثبت قریب کر دے گا۔

دینی دیوبند و سہیل

شاید اس سلسلہ میں جس غصہ کی کو منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اسے  
دیوبندی قاضی اپنے مستم صاحب کے محاسن میں شمار کر رہے ہیں۔

یہ ہیں تقادرات و ادب کا است تاج کیا

ایسے بھی ان حضرات کے یہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے دارالعلوم دیوبند  
کے مفاد اور جماعت کی مصلحت پر وہ اپنے مسلک و اعتقاد کا خون کرنے کے  
عادی ہیں۔ حد یہ ہے کہ فریب خوردہ عوام کے دلوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے  
کے لئے مسخر و کافر و بدعتیہ تک وہ خند و پیشانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔

دیوبند عام معاملات میں تو وہ مومنین کے اقتباس کا ثبات صلی اللہ علیہ وسلم  
کے تضائل و کلامات کے اعتراضات میں اپنا دل صاف نہیں رکھتے لیکن جب  
مجموعہ کی مصلحت و اعلیٰ ہوتی ہے تو اپنے دل پر جبر بھی کر لیتے ہیں۔  
چنانچہ چھوٹوں کی نہیں ان کے بڑوں کی باتیں کر رہے ہوں۔ اشرف مولا  
کے مولف دارالعلوم دیوبند کے ایک جلد و ستار بندی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے  
درمیان مولانا اشرف علی تھانوی کے متعلق لکھتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے بڑے جیسے دستار بندی میں بعض حضرات اکابر  
نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے نہ حضور سرور  
صلی اللہ علیہ وسلم کے تضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے گم پروردگار  
کا شبہ نہ ہو کہ وہ کلمہ پر موقع بھی اچھا ہے کہ انک اس وقت تک  
طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا تھانوی صاحب نے ہوا  
عرض کیا کہ اس کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات  
مستحضر نہیں؟ (اشرف السوانح جلد اول ص ۱۰۰)

”ذرا اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے، کافر ذہن پر زور دے کر پڑھے  
تو نبی کے ساتھ ان کے رشتہ اکیان کا سا دھرم کھل جائے گا۔ حیرت ہے کہ  
دل کا نفاق بے نقاب کرتے ہوئے اس جماعت کے اکابر کو کوئی جھجک نہ  
ہوتی اور نہ تھانوی صاحب ہی نے جواب میں کہا کہ حضور کے تضائل کا بیان



اے ہمارے ایمان والے! اس میں جماعت کی مصلحت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے  
بلکہ انھوں نے جواب میں یہ غرض پیش کر کے کہ حضور کے فضائل کے بیان کرنے  
آیات قرآنی اور احادیث کی ضرورت ہے اور وہ کچھ یاد نہیں ہیں اپنی  
جماعت کے فکر کی مزاج اور دل کے ماحول کا سارا راز ہی فاش کر دیا۔  
مولانا تھانوی جاننے قرآن اور ایک محدث کی حیثیت سے اپنی جماعت میں  
مشہور ہیں لیکن بد نصیبی کا ماتم کیجئے کہ اپنے نبی کے فضائل میں انھیں کوئی کیت  
یاد آئی اور نہ کوئی حدیث با عقل و فطرت کا تقاضا بھی ہے کہ آدمی انہی  
چیزوں کو یاد رکھتا ہے جن کی ضرورت اسے پیش آتی ہے۔ آخر ہوشیار  
تاجر وہ مال ہی کیوں رکھے گا جس کا پوری مارکیٹ میں کوئی طلبکار نہ ہو۔  
اسنے واضح اور بے لاگ اعتراضات کے بعد دیوبندی تہیکے دکھائے ہیں  
کیونکہ مصلحت کر سکتے ہیں کہ رسول پاک کے ساتھ ان کے اکابر کا تعلق مخلصانہ  
اور وفادارانہ ہے۔ البتہ یہ شکوہ پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے کہ دلوں  
میں جب گھبراہٹ نہیں ہے تو زبان سے کلمہ پڑھ کر اہل اسلام کے ساتھ  
یہ سنگین مذاق کیوں ہے۔ بد نصیب عباسی تو بے نقاب ہو کر منظر عام پر آیا  
اور پٹ گیا۔ ہندو پاک کی کہی کروڑ مسلم آبادی اس کے منہ پر تھوک چکی  
اور آپ بھی حسین خیر کے ذریعہ اس کی گھائل پشت پر تانے پانے و سید  
کر رہے ہیں۔ لیکن دیوبند کے یہ سیاسی بازیگر جو اپنے چہروں پر خوش  
نقاب ڈالے ہوئے ہمارے آبادیوں میں پھر رہے ہیں کوئی انھیں کیوں نہیں  
چورا ہے پھڑا کر رہتا۔

ایک طرف یزید کے حامیوں سے ان کے ساز باز ہیں اور دوسری طرف  
محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے نیاز مندوں میں بیٹھ کر یہ مگر کچھ کے آنسو بہاتے  
ہیں۔ ایک طرف یہ بھوپا و اہل بیت کے سزوات سما کر دینے پر جھڑپ  
کے درندوں کو سبار کباد پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف درگا ہوں کی مجاوری  
کے لئے ہر جگہ سازشوں کا ہال بچھاتے پھرتے ہیں۔ آخر مگر وزیر کی یہ نجارت  
کب تک جاری رہے گی اور پھر پردہ منافقت کا کھیل کب تک کھیلا جاتا  
رہے گا۔

یہ منیر کی پندہ کروڑ مسلم آبادی میں ہے کوئی جسور و غیور مرد تو سن جوان  
مضرات کے نفاق کا پردہ چاک کر کے انھیں بے نقاب کر دے۔  
معاذ کیجئے گا جب بات کی رو میں فضا بہت ملول ہوگی اہل  
ملی تو پھر بھی آپ کی بزم نور میں شریک ہوں گا۔  
شدت غم سے چھلک آئے ہیں آنسو در نہ  
معاذ میرا نہیں آپ سے شکوہ کرنا  
ربام و رنگت و تیر طشت

### دل کا کانا

مشید پور کے ابو ہریرہ نامی ایک شخص نے جون مراد کے خمارے میں  
ماہنامہ تعلیمی دیوبند کے ایڈیٹر مولانا مامر عثمانی سے دفعہ بار کے سلسلے میں اس  
مذہبی شکر کی بابت جو زبان زد خلعتی ہے دریافت کیا ہے۔



لِيُخْشِعَهُ أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ لَحَاجَةً  
الْفِطْرَةِ وَالْمَرْغَبِ وَابْنًا كَمَا دُلُّوا عَلَيْهِ

عبرہ صومنا جن کے مزاج کا بارہ رسول پاکؐ اپنی بیعت اور دنیا و آخرت کے نام پر ہمیشہ چڑھا رہا ہے، اثبات و نفی میں کتاب و سنت سے کوئی معقول دلیل پیش کرنے کے بجائے شناختوں پر اتر گئے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ "اس مشرک کے پیچھے انھیں مسلمانوں کا نہیں" برہنوں کا ذکر ہم نظر آتا ہے کیونکہ اس شر میں رسول مکرلی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کے لئے معنوی عظمت اقتدار کا ایک کھلا ہوا اعتراف موجود ہے۔

میں کہوں گا کہ رسول کی آل سے اتنی ہی جلن ہے اور ان کی نسلی برتری سے اتنا ہی تنفر ہے تو نماز جیسی اہم عبادت سے درود ابراہیمی کو بھی اٹک کر اٹک کر دیکھے کیونکہ اس میں بھی آل رسول کے حق میں بار بار رحمت و برکت کی دعا مانگ کر ان کے خاندانی حقوق اور نسلی برتری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اگر اسلام میں آل رسول کو کوئی خاص درجہ امتیاز حاصل نہیں ہے تو نہایت ہی افضل ترین عبادت میں بار بار ان کے نام کی تکرار کیوں ہے۔

پھر اس عالم غیظ میں مدبر تجلی نے سولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پاک کے ساتھ خطبہ جمعہ میں جو منظر عجیب و غریب دکھایا جاتا ہے اس پر بھی بہت چینی فرمائی ہے حالانکہ بظاہر بھی اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ان کا عقیدہ توحید مجروح ہوتا ہو۔ حیرت انگیز معارف

کائنات کے اعتبار سے اگر حضرت مولا علی کی ذات کو منظر عجیب و غریب میں ہی لیا جائے تو آخر شرعاً اس میں کیا قباحت لازم آتی ہے اور ایمان اسلام کا کون سا ستون ٹوٹ کے گر پڑتا ہے۔

اب دل کا کائنات ملاحظہ فرمائیے کہ کچھ دنوں مولا علی کے حق میں تو ایک ہائز اور فصیح لقب بھی مدبر تجلی کو برداشت نہیں ہے لیکن اپنے بیان عقیدہ مولا نامودودی کی مصنوعی عظمت کو انھوں نے دن کے اجالے میں سمجھ دیا زہر پیش کیا ہے اور ان کے عقیدہ توحید کو ذرا بھی ٹھیس نہیں لگتی ہے۔

پھر اور سنئے کہ مدبر تجلی کی آتش غیظ اتنے ہی پر نہیں سرد ہو گئی ہے بلکہ لگے لگے انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کا بھی انکار کر دیا ہے جو مقام صہبہ میں پیش آیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور ان کی نماز عصر تھا جو گئی تھی پھر حضور کی دعا ہے "وہا ہو سورج پٹ آیا تھا۔ معلوم نہیں اس واقعہ کے انکار سے مدبر تجلی کا کیا مقصد ہے؟ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبہ اخلاص و عفت کا انکار کرنا چاہتے ہیں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم ان ہی معجزے کا؟ کوئی مقصد ہو، دل کے کان سے مولا علیؑ دار ہے۔ (جام کوثر کلکتہ اگست ۱۹۶۹ء)

کشیور میں عید میلاد النبی

ماہنامہ تجلی دہلی کے حاصل مطالعہ نیرات بولائی داکٹر ۱۹۶۹ء



پیش کشی کے ایک صاحب نے پوچھا تھا کہ ایک سوال در یافت کیا ہے سوال کی عبارت یہ ہے ۔

میلاد النبی کی آمد کو پر یہاں علماء کے طبقے میں خوب چل چل شروع ہو گئی ہے ہر گھر کی طبقہ میلاد النبی کو منبر کی صورت میں منانے کا چل چل ہمارے گھر پر ہے اور آج بکلی سے ڈیڑھ دو بجے ہیں۔ جلسوں، محرابوں اور دیگر تماشوں کا اہتمام کرنے میں مصروف ہے۔ دوسری طرف اہل حدیث حضرات اس طریقے سے لوگوں کو منع کر رہے ہیں۔ اس طرح ہمارے یہاں باہمی اختلافات کی نفاذ پیدا ہو گئی ہے۔ آپ ہمارے اس عربینے کو بجلی میں شائع فرما کر اس پر مفصل بحث کریں۔

اب میلاد النبی کے سوال پر مدیونہ کی کا عالم غلط دیکھنے کے قابل ہے بلکہ جوئے بخوار کی طرح قلم کا جنون ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں ۔

عید میلاد النبی کے جلسے ابھی کچھ ہی دنوں سے اہتمام ہوئے ہیں۔  
”تجلی بابت جو لالہ دوست“

عام طور پر ہمارے میں ابھی کچھ ہی دنوں کے لفظ سے ہفتے دو ہفتے یا

بچے دو مہینے کی مدت سمجھ جاتی ہے لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ یہ ”تجلی“ ابھی کچھ ہی دنوں کے پیش سے آٹھ سو برس کی مدت کو منظم دیا ہے اور وہ بھی ایک لمحے میں سرخ پیدا کرنے والی مشین بھی اس ہنر کے آگے نیل ہو گئی۔ موصوفت اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں ۔

ان کی ابتدا کی شکل بھی اسلام کے ابتدا کی چار سو سالوں میں کبھی نہیں ملتی لہذا اس میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ ایک نوا کا چیز ہے۔

اگلے سو برس کی اس نوا کا ایجاد چیز اور اسے برقرار رکھنے والے مسلمانوں کو مدد موصوفت نے جو جذبہ گایاں دی ہیں ان کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں ۔

لکھنے کا اس بہت کی تحسین اور مدد میں بہت کچھ کیا جاتا ہے لیکن یہ اسی نوع کا ہے جس طرح عیسائی حضرات حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ثابت کرنے اور اہل ہندو بت پرستی کی حکمتوں کے سلسلے میں بہت کچھ ”تجلی“ ثابت کرتے ہیں۔

ہماری مظلوموں کے ساتھ انصاف کیجئے کتنی بیداری کے ساتھ صرف اٹھو



برس کی نوایجاد چیز ہونے کی بنیاد پر ہر قبل نے عید میلاد النبی کے جلسوں کا بیشتہ کفر اور اہل کفر کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

اب اس سے بھی زیادہ ایک نوایجاد چیز کی تصویر مدح و تحسین کے ساتھ اسلامی کے روم پیدا کرنے کی تادیق بتاتے ہوئے اسی تجلی میں خورشید احمد نام کے ایک ہمدرد جماعت رقمطراز ہیں۔

۲۵ اگست ۱۹۳۱ء کو لاہور میں ایک تاریخی اجتماع ہوا اور مسلمانان ہند کے اس قلب میں پچھتر برس کے مخلص بندوں نے دین کے قائم کرنے کا علف اٹھایا اور جماعت اسلامی قائم ہوئی۔

اس اجتماع کی مدد و ادائے ہی پر نہیں ختم ہو جاتی آگے یہ دلچسپ کہانی بھی سنئے کہ اس کے بعد ٹھیک کسی نئے دین میں داخل ہونے کی طرح جماعت اسلامی میں بھی داخلے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے بانی جماعت مولانا مودودیؒ کھڑے ہوئے اور انھوں نے یہ علف نامہ پڑھا۔

لوگو! گواہ رہو! کہ میں آج از سر نو ایمان لاتا ہوں اور جماعت اسلامی میں شریک ہوتا ہوں۔

یادین! نیا ایمان! اسے مومن! کیا اہل انصاف اس نکتے

پر میرے ساتھ انصاف کریں گے کہ آٹھ سو برس کے جلسہ عید میلاد النبی پر تو میری تجلی اس قدر برہم ہیں کہ اس کا رشتہ عیسائیت اور بت پرستی کے ساتھ جوڑنے میں بھی انھیں کچھ تامل نہ ہوا لیکن جماعت اسلامی جو آج سے صرف پچیس برس پہلے کی نوایجاد چیز ہے وہ ان کے نزدیک اتنی مقدس، اتنی واجب الاقرارم اور اتنی با عظمت ہے کہ انھوں نے اس کے بانی مولانا مودودیؒ کی کوون کے اجلاس میں مسجد ہائے نیاز کا خراج پیش کیا ہے۔ (حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو تجلی فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۵۷)

اگر نوایجاد ہی ہونا عید میلاد النبی کے جلسوں کی حرمت کا سبب ہے تو سب سے زیادہ نوایجاد تو عود یہ جماعت اسلامی ہے اس کے وجود پر حرمت کا حکم کیوں نہیں لگایا جاتا۔

**حرمت پامال** | کشمیری مسلمانوں کے جوش عقیدت اور روحانی دایاں دلوں کی داستان شوق سن کر ہر تجلی طلبا اسٹے ہیں۔ اسی حاصل مطالعہ نے انھوں نے اپنے پائیں بازو والے قوم پرست مولویوں کو لگا دتے ہوئے دکھایا ہے۔

ہم نے تو بار بار اپنے علماء کو آجہ دلائی کہ تم جو کشمیر ہمارا ہے کی رٹ لگاتے رہتے ہو تو کیوں نہیں کشمیر جاتے اور دلوں کے مسلمانوں کو دین کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کر کے جماعت و بدعت کا قلع قمع کرتے۔ (حاصل مطالعہ نہرا)



کشمکش غیر حضرت بال کا دیار عشق ہے وہاں محبت و ایثار کے لالہ زادوں کی کیا کمی ہو سکتی ہے عید میلاد النبی بزم عقیدت کا ذکر حبیب کی مجلس اور سرفروشان حق کی مجلسیں وہاں نہیں منعقد ہوں گی تو بتایا جائے کہ برصغیر منہ ہیں اور کہاں جنت کی سرزمین ہے۔ — لیکن قیامت تو یہ ہے کہ ان قازیان شر و فساد کا توپ غارت جہاں مقرب ہے اور جسے عزت عام میں "دیوبند" کہا جاتا ہے وہاں بھی یہ سخت جان اور ناقابل تسفیر "عید میلاد النبی" اپنی فتح و شوکت کے ڈنکے بجا رہی ہے۔

حسرتوں کی لاشیں پر مدیر تھلی کا یہ درد انگیز فریہ پڑھنے کے قابل ہے

محنت کی خرابی یہ ہے کہ عید میلاد النبی کی بہت ہماری اپنی طرف  
بھی خوب مروج ہو گئی ہے۔

تخلیٰ فیصل سلالہ نسیر

زندہ آباد آباد ہیوں کی تودہ پر چلنے والے جوان خستہ : ایمان بخدا  
اسی موقع کے لئے کسی کے تخیل میں یہ شرمندوں ہوا تھا۔  
کیس پھونکوں سے گھتی ہے تخیل نور ایمان کی  
ہو اور دے کہ تہ کشی تیز چلی ہے مسلمان کی

اپنی جماعت کے سب سے بڑے توحید پرست  
اور بہت شگن مجاہد مولانا عامر عثمانی مدظلہ العالی

ایک اور سجدہ نیار

ہیں کے یہاں اہل اللہ کے مزار پر ہاتھ باندھتے ہی سویرے گا ایمان ایک  
لحے میں غارت ہو جاتا ہے انھوں نے ایک بار ۱۹۶۲ء میں اپنے سرشد  
ہر نفیت مولانا سہروردی کے آستانے پر سجدہ کیا لگایا تھا اور اب پھر  
۱۹۶۹ء میں اپنے رفیق جماعت جناب وحید الدین خاں صاحب مفسور میں  
اپنے قلم کی جبین نیاز کا سجدہ بے اختیار گزارا ہے۔  
چنانچہ مدیر موصوفت ان کی ایک کتاب پر تبصر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور آج جبکہ ان کی تازہ کتاب کو خدمت حق کا ایک انمول نثر  
تصور کرتے ہوئے ہم اپنے قلم کی جبین نیاز ان کی بارگاہ میں جھکا رہے  
ہیں تو یہ سجدہ بے اختیار ان کی ذات کو نہیں اس حق کو ہے جس کے  
آگے پوری کائنات خرابی نخواستہ ہی سجدہ رہ رہے۔  
"تخلیٰ فیصل سلالہ نسیر"

زرا دقت کی یہ نیرنگی ملاحظہ فرمائیے کہ کل جب ہم کہتے تھے کہ ہماری  
عقیدوں کا یہ خراج صاحب مزار کی ذات کے لئے نہیں بلکہ اس جلوہ حق کے  
لئے ہے جس کے آگے پوری کائنات خواہی نخواستہ ہی سجدہ رہ رہے۔ تو عقیدہ  
توحید کے یہ اجارہ دار لگے پھاڑ پھاڑ کر بہانے جہل و عقیدت کا مذاق اڑاتے  
تھے اور اسلام و ایمان کی ہزار بو جھل شہادتوں کے باوجود ہماری نشانہ ہی  
کے لئے "مشرک" سے نیچے کا کوئی لفظ ہی انھیں نہیں ملتا تھا لیکن آج اپنے مرکز  
عقیدت کا سوال آگیا ہے تو کل کا سارا شرک کفر ایک لمحے میں ایمان و اسلام



سے بدل گیا۔

بیرہن بھاڑ لیں غنچے تو وہ ذہنت کھڑے  
ہم گریباں بھی کریں چاک تو رہوائی ہے

نہایت

**بیس ہزار کی یزم** | جماعت اسلامی کے آرگن روزنامہ دعوت دہلی  
مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں  
جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ منعقد دہلی کی جو روادار شاخ جولائی  
ہے اس میں کل ہند اجتماع کے لئے بیس ہزار کا بجٹ منظور کیا گیا ہے جس میں  
میلاد میں چند موم بتیوں اور چند جھنڈیوں کا مارچین کی نگاہ نہیں برداشت  
کر سکتی یا فوج جب کہ آج انھوں نے اپنی پلکوں پر ایک شہر بانی کا  
منیفلڈ کیا ہے۔ — گزشتہ ایام زندہ باد۔

**توپ شکن موسم** | جوں جوں الیکشن کا زمانہ قریب آتا جا رہا ہے  
چروں کا نقاب اٹھتا جاتا ہے۔ اس موسم  
بہار میں جماعت اسلامی بھی آہستہ آہستہ میکے کی طرف بڑھ رہی ہے چنانچہ  
اسی مجلس شوریٰ میں جماعت اسلامی نے الیکشن سے متعلق بھی درنہایت  
اہم تجویزیں منظور کی ہیں۔

پہلی تجویز کا متن ملاحظہ فرمائیے۔

نام انتخابات ۱۹۷۷ء کے انعقاد سے پہلے جبکہ مختلف مغلقات سے

انتخاب سے کھڑے ہونے والے امیدواروں کے نام سامنے آچکے ہوں  
تجسس شوریٰ کا اجلاس بلایا جائیگا جو منیفلڈ کرے گا کہ کس حلقہ انتخابی  
میں ارکان جماعت پر سے وہ پابندی ہٹائی جائے کہ نہ ہٹائی جائے  
جو ووٹ دینے کے سلسلے میں ان پر اب بھی عائد ہے۔

(دعوت دہلی ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء)

حوالہ یہ ہے کہ آج سے چند سال پیشتر آپ حضرات نے باطل نظام حکومت  
کی تشکیل کے لئے ووٹ دینے کے سلسلے میں جو پابندی اپنے ارکان جماعت  
پر عائد کی تھی وہ اگر اسلام کی طرف سے تھی تو آج بھی اسلام کا وہی آئین  
ہے آج بھی وہی باطل نظام حکومت ہے پابندی اٹھانے والے آپ کون؟  
اور اگر اسلام کی طرف سے نہیں تھی تو اہل اسلام پر کسی جائز چیز کو حرام قرار  
دینے کا اختیار آپ کو کس نے دیا اور صرف اپنی خود ابرید پر اسے برقرار رکھنے  
والے آپ کون؟ اسلام کا دفتر قانون کچھ آپ کی جماعت کا دستور تو نہیں ہے  
کہ جب چاہا نافذ کر دیا جب چاہا منسوخ کر دیا۔

دوسری تجویز میں دل کا چور پوری طرح بے نقاب ہو گیا ہے ملاحظہ

موجودہ نظام حکومت کو غیر اسلامی اور فحشاء محبت سمجھتے ہوئے اسلام اور  
مسلمانوں کے اہم مفادات کے لئے الیکشن میں حصہ لینا جائز ہے۔

(دعوت دہلی)



۱۔ اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کا نام لے کر چھپنے کی کوشش نہ کیجئے  
دوست ہمسے پابندی پٹانے کا راز کچھ میں آگیا۔ کل گزشتہ یک آسپ  
حضرات کے نزدیک ایکشن میں حصہ لینا جائز نہیں تھا آج ۲۰ اسلام اور  
مسلمانوں کے اہم مفادات کے نام پر جائز ہو گیا۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ ایمات  
اسلامی اپنے جوڑ توڑ میں کامیاب ہو گئی تو اسکی اہم مفادات کے نام پر کسی  
پارٹی سے آپ ہمارا سودا بھی کر لیجئے گا۔

دعوت کو ٹکٹ دے گت مستحق

دو اسلام | بعض احباب کے اصرار پر مشہور ہو کر حدیث اور فرقہ اہل قرآن  
کے مایہ ناز صاحب قلم ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب  
"دوسرا اسلام کا تنقیدی جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے برق صاحب نے اپنی  
اس رسوائی کے ذمہ کتاب میں یہ ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے کہ اسلام  
ایک نہیں بلکہ دو ہے ایک اسلام قرآن میں ہے اور دوسرا اسلام حدیث  
کے اخبار کے نیچے دیا ہوا ہے۔ برق قرآن والے اسلام کے ساتھ ہی حدیث  
والے اسلام سے اسے سخت نفرت و انکار ہے۔

نہ مانے میں اس سے زیادہ سفید جھوٹ تصنیف نہیں کیا جاسکتا کہ خدا کا  
رسول ایک لیکن اسلام دو۔ ایک ہی زبان کے نکلے ہوئے الفاظ کو ہم نے  
دونوں سے جانا۔ مناسبت سے آیات خداوندی کہہ کر سنا لیا تو قرآن  
کھلا یا اپنی طرف سے کہا تو حدیث نام چڑ گیا اور فرقہ تاشا یہ کہ میں رسول نے

قرآن ہم تک پہنچا یا انہی ہستیوں کے ذریعہ حدیث بھی ہم تک پہنچی۔ اگر قرآن  
کے علیہ بیان کی دیا تعدادی مسلم تھی تو حدیث کے معاملے میں کیونکر قابل اعتبار  
نظر آتی۔

پوری کتاب میں ورق و ورق پر اس کی غلطی کا ماتم ہے کہ برق اس  
بنیاد پرست نادانقت ہے کہ قرآن کیا ہے اور حدیث کیا ہے۔ علم کے  
ساتھ دینی بصیرت کا بھی کچھ حصہ ملا ہوتا تو آسانی سے یہ سمجھ میں آ جاتا  
کہ حدیث کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ وہ غیر غلط صحابی رضی اللہ عنہ کی زبان  
سبارک سے نکلے ہوئے قرآن و اسلام کے حوالی اور تشریحات و تفصیلات  
کے مجموعے کا نام حدیث ہے۔

پھر اگر یہ حق پیغمبر کو نہیں ہے تو بنایا جاسکتا کہ وہ نہ زمین پر کن اس  
سحب کا استحقاق رکھتا ہے یا پھر بنیاد ہی کا اگر مظاہر و گناہ تو کھل کر  
ہر کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ قرآن و اسلام کے چمکنے کے لئے ہم پیغمبر کی تشریحات  
کے محتاج نہیں ہیں۔

حدیث کی دشمنی میں برق صاحب نے اپنی اس کتاب کے اندر دیانت و  
شرافت کا جس بیدردی کے ساتھ خون کیا ہے اس کے چند نمونے ذیل میں  
ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)

بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضرت سید عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ  
عنا فرماتی ہیں۔



کُنْتُ اِمَامًا لِمَا رَأَيْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِي تَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَمُرُّ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ  
مِنْ اَنَا وَاحِدٍ  
سے پہلی پیکر چل کر گئے تھے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۲۹ بحوالہ اسلام ۱۴۵

اب اس حدیث پر برقی کا انفرام خط فرمائیں۔ حدیث کے ذیل میں  
لکھتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور انور اربع کے ہمراہ برہنہ غسل فرمایا کرتے تھے  
دنیا میں کوئی عورت برہنہ نہیں کر سکتی کہ وقت مباشرت کے علاوہ  
اس کا شوہر اسے برہنہ دیکھ سکے۔ (دوا اسلام ص ۱۴۵)

اس ظالم مفتری سے کوئی پوچھے کہ حدیث کے کس لفظ کا یہ ترجمہ ہے کہ مصداق  
حضور اپنی اذواج کے ہمراہ برہنہ ہو کر غسل فرمایا کرتے تھے۔ حدیث کا تو صرف  
اتنا مفہوم ہے کہ ایک ہی برتن سے پانی لیکر حضور اور عائشہ پاک غسل فرمایا  
کرتے تھے۔ صرف غسل کے لفظ سے برہنگی کا مطلب نکال لینا دل کے چپے ہوئے  
نفاق کی برہنگی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

حدیث کی عداوت میں رسول محترم اور عورات طہیبات  
پر بھی بہتان تراشتے ہوئے ظالم کو ذرا شرم نہیں آئی۔ اپنی غیرت  
عقیدت مرگئی تھی تو کئی کرور خدایان رسول ہی کی غیرت محبت کا لہذا  
کیا ہوتا۔

(۲)

حدیث کی روایات کے درمیان تضاد ثابت کرنے کے لئے "دوا اسلام"  
کا مصنف ایک جگہ لکھتا ہے۔

حضرت علی کا قول ہے۔  
فَوَاقِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ وَالْكِتَابَ أَوْ سَاجِدًا  
مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع و  
تجوید میں قرآن پڑھنے سے روک دیا۔  
(مسلم شریف جلد دوم)

لیکن حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ان رسول اللہ کان یقول  
فِي رُكُوعِهِ وَصُجُودِهِ قَدْ دُشْتُ رُبَّ السَّابِكَةِ وَالْمُؤَدِّهِ  
مفہوم رکوع و سجود میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے یعنی مسبوح قد دوش  
و آخر تک (مسلم ج ۲ ص ۹۶) (دوا اسلام ص ۲)

احادیث نقل کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظالم یہ بہتان تراشتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور ایک حکم دے کہ خود ہی اسے توڑ دیا کرتے تھے۔  
(دوا اسلام ص ۲)

اس پھوٹے مفتری سے کوئی تیجھے کہ مسبوح قد دوش رُبَّ السَّابِكَةِ



واللہ فوق القرآن میں کہاں ہے اور یہ کس پارے کی آیت ہے؟ حدیث رسول اکرم پر ہتھان تراشنے اور حدیث میں تضاد ثابت کرنے کے لئے ظالم نے ایک عربی فقرے کو قرآن کی آیت بنا دیا ہے۔ اگر یہ شرارت اندازہ بہالت ہے تو اس سے زیادہ شرمناک ہمت کا تصور ناممکن ہے۔ مجھے قرآن اور غیر قرآن میں بھی تمیز نہیں ہے وہ کس نسخے اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اسی مبلغِ علم پر احادیث کا ذخیرہ جلا کر قرآن کی حکومت قائم کرنے کا نہیں غرور باطل ہے اور اگر یہ دانستہ تحریف اور جان بوجہی خیانت کا رویہ ہے اور قرآن شاہد ہیں کہ ایسا ہی ہے تو اس سے زیادہ کھلا ہوا کفر اور قرآن کے خلاف اس سے زیادہ بھرمناذہن اور کیا ہو سکتا ہے؟

دنیا میں حدیث کی دشمنی نے تحریف قرآن تک پہنچا دیا اب سی حال میں اگر موت آگئی تو جسم تک پہنچنے میں کیا دقیقہ ماتی رہ گیا ہے۔

پھر حدیث کے قبیلے میں دوسری تحریف یہ کی گئی ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیان میں اپنی طرف سے یہ فقرہ بڑھا دیا گیا ہے کہ ”یہ آیت پڑھا کرتے تھے“ حالانکہ حضرت عائشہ نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ ”سبحان یقول“ حضور یہ کہا کرتے تھے، آیت پڑھنے کا کوئی لفظ ان کی حدیث میں نہیں ہے ظالم سے کوئی پوچھے کہ ”یہ آیت پڑھا کرتے تھے“ زیر بحث حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔

حیرت ہے اس دلیری پر کہ دو پیر کے اجالے میں بھی حدیث کی چوری کرتے ہوئے ذرا جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ کم از کم اتنا تو سوچنا

چاہئے تھا کہ مسلم شریف اچھی دنیا سے تاپید نہیں ہوئی ہے۔ ہر جگہ دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے پڑھنے اور سمجھنے والے بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ آخر ایک عالم گیر کتاب کی یہ چوری چھپ کیسے ممکن ہے۔ پتا نہ لایا گیا ہے کس نے کیا باتیں و ہر ضحہ خواہی کن

(۱۳)

نقل میں خیانت کی ایک نئی تصویر اور ملاحظہ فرمائیں۔  
اسلام کے معمولات اور احادیث میں تضاد ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے

ہم نھرا عصر اور عشا کی نماز میں چار چار رکعت پڑھتے ہیں لیکن موطا کتاب الصلوٰۃ ص ۱۱ میں درج ہے ان عمرو بن الخطاب کان یقول صلوٰۃ الیل والنہار مثلثی مثلثی یعنی عمر بن الخطاب فرمایا کہتے تھے کہ رات اور دن کی نماز صرف دو دو رکعت ہے۔  
(ردو اسلام ص ۱۹)

تمام انسانوں کی پھٹکار ہوا یہ خیانت کا رویہ پر جن کے ہاتھوں سے دین کی آبرو بھی محفوظ نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل نمازوں کے متعلق ہے اور غضب دیکھئے کہ ظالم نے اسے چسپاں کر دیا فرض نمازوں پر، چنانچہ موطا نام کی جس کتاب کے یہ حدیث نقل کی گئی ہے اس کے باب ہی میں یہ صراحت موجود ہے



باب کے الفاظ یہ ہیں۔ باب الودع فضل فی نوافلہ اللیل والنہار  
ان یکون صحنی صحنی۔ یعنی یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ دن اور  
رات کے نوافل دو دو رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے۔  
اسی باب کے ذیل میں حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے سیدنا  
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے۔

روئے زمین پر ایسے کروہوں افراد موجود ہیں جو خدا کا انکار کرتے  
ہیں، رسول کو رسول نہیں مانتے، قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم نہیں کرتے۔  
انہیں مجبور کر سکتا ہے کہ تم اپنی رائے بدل دو۔ آج برقی اور دو  
منکرین حدیث اگر حق سے بغاوت پر آمادہ ہیں تو ہم زبردستی انہیں یمن  
نہیں بنا سکتے لیکن دنیا کا کوئی بھی شریف انسان اس طرح کا جرائم پیشہ  
ذہن ہرگز نہیں برداشت کر سکتا۔ کسی چیز کو ماننا یا نکل اختیار کی  
چیز ہے لیکن دھوکہ، فریب اور جعل سازی کو دینا تو ہمیشہ اخلاقی رد و ایل  
کی فہرست میں سرورق پر جگہ دی ہے۔

(۴۴)

ترجمے کا ایک شرمناک خیانت اور ملاحظہ فرمائیں۔ برقی ایک قد  
نقل کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کنت امام بین یدی رسول اللہ  
صلعم ورجلا یدی فی قبلتہ فاذا سجدا غمز فی نقبۃ

سرجلی فاذا اقام بسطتہما وابتوت لیس فیہا مصابیح  
رضی اللہ عنہا ۱۶۵۵ ہجری میں نماز میں حضور کے سامنے پاؤں الٹا کر  
پھیلا کر بیٹ جاتی تھی جب وہ سجدہ کرنے لگتے۔ کچھ انکو اشارہ کر دیتا  
پناچ میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب وہ اٹھتے تو پھر پھیلا دیتی اور سجدہ میں  
جماخ موجود نہیں تھا یعنی بالکل اندھیرا تھا۔  
(درد اسلام ص ۱۶۵)

اس خیانت آمیز ترجمے کے بعد حدیث کا مذاق ان لفظوں میں لایا گیا۔

یہ اندھیرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ و ابرو کو دیکھ لینا  
حضرت عائشہ ہی کا کمال ہو سکتا ہے۔ (درد اسلام ص ۱۶۵)

جمل و خیانت کے ساتھ بدتمیزی کی اس سے زیادہ شرمناک مثال دنیا میں  
نہیں مل سکتی۔ اپنی غمی بصیرت کے افلاس اور فکر و نظر کی تنید امنی کا مذاق  
اڑانے کے بجائے مسخرے نے حدیث کا مذاق اڑایا ہے غمزنی کے معنی  
اگر خود نہیں معلوم تھے تو کھائی بندوں سے پوچھ لیا ہوتا اور اگر وری بولتا  
ہی کنگال تھی تو عربی زبان کی مستند دشمنی اللہ جہاں ہی کھوں کر  
دیکھ لیا ہوتا تو یہ چل جاتا کہ غمزنی کا صحیح ترجمہ ہے اٹھ سے کٹھ کا دیتے  
تھے، ہے، لگے، انکو سے اشارہ کر دیتے تھے، نہیں ہے۔



کتاب کا فہم ہے کہ خود ہی غلط ترجمہ کیا اور اپنے ہی ترجمے سے جو معنی نکالے  
نیز معنی پیدا ہو گئے تو اسے حدیث کی طرف منسوب کر کے حدیث کا مذاق  
بھی اڑا دیا۔  
فکر کی لغزش معاف کی جاسکتی ہے لیکن اہانت انگیز شراعت کا جواب  
ملائے نفرت و نفرت برکے اور کیا ہے۔

(۵)

حدیث کی دشمنی اور اسلام سے بغاوت کا ایک شرمناک نمونہ اور  
ملاحظہ فرمائیں۔ "دور اسلام" میں برق حضرت عطاء ابن یسار رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کی روایت سے ایک حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

عطاء ابن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر سے دریافت کیا  
کہ کیا تورات میں حضور پر نور کے متعلق کوئی آیت موجود تھی کہ  
کہوں نہیں۔ آپ کے متعلق یہ آیت تورات میں موجود ہے یا  
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ  
وَأُحِبُّهُ وَأُحِبُّ مَنْ أَحَبَّهُ ۝ اسے رسولِ اکرم نے نہیں شام  
بشر نے اور ان پر محمد عربیوں کا محافل بنا کر بھیجا  
(دور اسلام ص ۱۵۴)

ملاحظہ فرمائیں کہ دریافت کر لیا اسے "کوئی آیت موجود تھی"

کے متعلق دریافت کیا تھا جواب دینے والے نے بھی اسی سوال کا جواب دیا۔ لیکن  
ظالم نے اپنی طرف سے یہ فقرہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف  
منسوب کر دیا کہ آپ کے متعلق یہ آیت تورات میں موجود ہے۔ "ہے" کے ساتھ  
یہ فقرہ صرف اس لئے بڑھایا گیا ہے تاکہ حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے آج  
تورات کے صفحات کھول کر دکھلا دے جائیں کہ یہ آیت تورات میں کہیں موجود  
نہیں ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے بعد ہی لکھتا ہے تورات کو اللہ سے یاد  
کیم پر اور جائزہ افغانا کہیں نہیں ملے گا۔

یہ لکھنے کے بعد برق کو خیال آیا کہ تورات میں تو تحریر ہے جو بھی ہے اگر وہ  
آیت نہیں ملی تو حدیث کا جھوٹ کیونکر ثابت ہو سکے گا جیسا کہ برق نے  
خود ہی اس کا اظہار کیا ہے۔ لکھتا ہے۔

لیکن ہے آپ یہ کہہ دیں ابھی صاحب تورات میں اس قدر تحریر  
ہو چکی ہے کہ اس کی کوئی کپی سیدھی نہیں رہی یہ آیت ہے تو کہاں سے  
(دور اسلام ص ۱۵۴)

یہ سوال اٹھانے کے بعد اب تورات کو غیر شرف اور اسل حالت میں ثابت  
کرنے کے لئے ظالم نے ایسے ایسے گلے کھائے ہیں کہ ناظر بھی سر ہر گریباں ہوتا  
غم بھی ماتم گسا رہے اور عقل و دانت بھی شرمندہ ہے۔ لکھتا ہے۔

اس وقت سچ نے اعلان کیا تھا کہ جب تک زمین و آسمان نہ ٹل جائیں



ایک مرتبہ یاشوہ آفات سے ہرگز نہیں بچے گا۔ (انجیل متی باب ۵  
آیت ۱۸) اگر تو رات بھر نہ چکی لگتی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام سے  
یہ اعلان کیوں کرتے۔

د د و اسلام و ۱۵۷۱

دلیل کا جیب کوئی معیار ہی نہیں ہے تو انجیل سے صفائی پیش کرنے کی  
کیا ضرورت تھی تو رات کی صفائی میں تو رات ہی سے کوئی اہمیت پیش  
کر دی گئی ہوتی۔ حالانکہ امر و بقدر ہے کہ تحریف کا جو الزام تو رات  
پر ہے وہی انجیل پر بھی ہے۔ انجیل کی خود اپنی پوزیشن جب صاف نہیں  
ہے تو وہ دوسرے کی صفائی میں کیا زبان کھول سکتی ہے۔

اس کے بعد پھر خیال آیا کہ تو رات کی سحرِ صبح کا مسئلہ تو ایک ثابت  
شاعرِ عقیدے کی حیثیت سے اسلام میں جگہ پا چکا ہے صرف اہل حق کے ہاں  
اس پر کیسے پردہ ڈالا جاسکتا ہے تو لوگوں کا مستحضر بن کر نیکے لئے دہلی و  
نریب کا ایک فیادِ دردانہ کھولا پڑا۔

تھیں ہے آپ سوچ رہے ہوں کہ وہ جو قرآن میں یہود کے متعلق  
 لکھا ہے کہ وہ تو رات میں تکریب کیا کرتے تھے اس کا کیا مطلب ہے  
 مطلب میں سمجھائے؟ بتا ہوں۔ تکریب کے دو معنی ہیں۔ الٹا ظ کو پرانا  
 آیات کی میں مانی تفسیر کرنا۔ چونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ تو رات پہلی  
 حالت میں جو تکریب اس کے وہاں تکریب کا دو سرا مطلب لیا جائیگا اور اس کا

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر آیت کی تفسیر میں من مانی کرتے تھے  
الفاظ و کلمات میں کوئی رد و بدل نہیں کرتے تھے۔ حدیث کا انکار تو تھا  
ہی نہیں، اب تو رات کی حمایت میں قرآن کا بھی انکار کر دیا گیا۔ جب کہ  
قرآن کھلے لفظوں میں یحود کے متعلق صراحت کرتا ہے کہ وہ الفاظ و کلمات  
میں بھی رد و بدل اور تخریب کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد و باری ہے:-

ہوگا کہ ان میں سے کسی ایک کو ان کے کلمہ حق سے متوازی نہیں ہے۔ یعنی یہ وہ الفاظ  
کلمات میں تحریف کرتے ہیں اتنی صراحت کے باوجود برقی کہ اصرار ہے کہ  
تورات اصلی حالت میں موجود ہے قرآن کی صراحت کے مطابق جس کتاب  
کے الفاظ کلمات تک بدل ڈالے گئے ہوں اسے اصلی حالت میں موجود  
ماننا یا تو جہل غلط ہے یا اہل کتاب کی مصداقی میں قرآن کے خلاف بدترین  
سائش اور کھلا ہوا نفاق ہے۔

اب ان ساری ہرزہ سراہیوں کے نیچے منکرین حدیث کے دلوں کا  
چور اگر دکھنا چاہتے ہوں تو برقی کی یہ تھریڈ ملاحظہ فرمائیے۔ وہ پھر کے  
سورج کی طرح واضح ہو جائیگا کہ اسلام میں ظن و تشکیک کا ایک نیا  
فلسفہ برپا کرنے کا اصل مدعا کیا ہے۔

اسلام کسی تو بانی اقرار کا نام نہیں بلکہ نیکی کا نام ہے۔ اگر ایک عیسائی نیکی کر رہا ہے تو وہ قرآن کی رو سے مسلمان ہے۔ رسول و قرآن کا صحیح پیرو رہا ہے جو نیک ہو۔ نہ وہ جو کلمہ پڑھ رہا ہو اور سامنے



یہاں کی یہ معاشیاں گرتا پھرتے، آپ کے ہاں اسلام پند عقائد کا نام  
 ہے اور قرآن کے نزدیک حضرت نبی کی کا نام ہے اس لئے خداوند  
 کا یہی پیرو وہ ہے جو ان احکام پر عمل کر رہا ہے خواہ اس پر کیا  
 کاپیوں لگا کر ہو یا وہودیت کا۔ (دور اسلام ص ۱۱۱)

یہودیت کی خوشنودی کے لئے رکھتے ہوئے ڈالہ پر یہاں ہی چننا ہے  
 قرآن اور رسول کا نام کیوں لیا جا رہا ہے اسلام میں عقیدوں کو کوئی  
 بنیادی اہمیت حاصل نہیں ہے تو بلاوجہ قرآن کے تیس پاروں میں یوم  
 آخرت، جنت، دوزخ، فرشتوں، انبیاء سابقین، پچھلی کتابوں، قرآن اور  
 پیغمبر آخر الزماں پر ایمان لائے اور عقیدہ رکھتے کا مبطا بنایا گیا ہے۔ تمام ان عقیدوں  
 کے اس عہد میں بھی اگر یہودیت و عیسائیت خدا کی خوشنودی کو  
 پاک کی پیروی اور نجات، خودی کا پسندیدہ راستہ ہے تو بلاوجہ قرآن میں  
 یہ وارننگ دی گئی ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی دین خدا کے ہاں قابل قبول  
 نہیں ہے اور پھر قرآن کی طرح موجودہ تواریخ اور انجیل پر عمل بھی  
 اگر نجات، خودی کا ضامن ہے تو مشکوک حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن کے  
 بجائے "اہل تورات و انجیل کیوں نہیں کہتے۔ پھر وہ قرآن کا نقاب  
 ڈال کر اہل اسلام کو کینک وہ فریب میں مبتلا رکھیں گے۔

اب حالات کا ذرا یہ عبرت ناک تماشا ملاحظہ فرمائیے کہ حدیث کے  
 انکار نے غلاموں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ حدیث کا جھوٹ ثابت کرنے

کے نئے اسلام کے اصولوں کا بھی غن کرنا پڑا اور اب اخیر میں یہودیت و عیسائیت  
 کو اسلام کے دوشیں بہ دوشیں لٹا کھڑا کر دیا گیا۔  
 گمراہی میں اتر کر اگر غارتگاشی کی جائے تو کچھ بے حد نہیں ہے کہ انکار  
 حدیث کا یہ سارا کھیل تل ابیک کے سوداگروں اور مغرب کے پاپاؤں کی شر پر  
 کھیلا جا رہا ہو۔

(۶)

اب اخیر میں خیانت و تحریف اور ذہانت و عیاری کا ایک عجیب ترین  
 تماشا اور ملاحظہ فرمائیے۔ شب قدر کے بارے میں کل انسانی فرماتے ہیں۔

مسلمانوں کے ہر طبقے میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ رمضان کے آخری ہفتے  
 میں ایک رات لیلة القدر کہلاتی ہے۔ اس کی خاص علامات یہ  
 ہیں کہ زمین و آسمان ہلنے پھرنے لگتے ہیں۔ کائنات کی ہر چیز  
 میں گر جاتی ہے اور اس وقت جو بھی دعا مانگی جائے قبول ہو جاتی ہے  
 اس رات کی تلاش میں چار ایک طبقہ ہفتہ بھر جاگتا رہتا ہے۔

(دور اسلام ص ۱۱۱)

اس کے بعد تحقیق کی ٹانگ توڑی جاتی ہے۔ قرآن کے ترجمے  
 میں من مانی تحریف کا بھی ذرا جلوہ دیکھئے۔  
 ارشاد فرماتے ہیں۔



اس میں کلام حسین کہ قرآن حکیم میں لیلۃ القدر کا ذکر آیا ہے  
 اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ بِمَنْ لَمْ يَرِ تَرَانِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ  
 فیصلہ کن رات میں اتارنا شروع کیا۔

لیکن دو لیلۃ القدر حدیث والی لیلۃ القدر سے الگ چیز ہے  
 اس کا مفہوم ہے ایک فیصلہ کن رات یعنی حق و باطل کے بھڑکے کو چکا  
 دینے والی اور قیصر و کسریٰ کی تقدیر کا فیصلہ کر دینے والی رات  
 اور اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں تھا کہ جس مقدس رات میں  
 یہ انقلابی کتاب دنیا کو دی جا رہی تھی وہ رات یقیناً تمام نسلوں  
 کے لئے فیصلہ کن رات تھی۔

(رد اسلام صفحہ ۱۱۱)

اب ذرا ہم ذراست کا تماشا دیکھتے! حدیث والی لیلۃ القدر  
 تو رمضان المبارک کے آخری ہفتے میں ہے لیکن آپ کا کہنا ہے کہ آپ کی  
 فرضی لیلۃ القدر حدیث والی لیلۃ القدر سے الگ تھلگ چیز ہے جس کا  
 واضح مطلب یہ ہوا کہ وہ رمضان المبارک میں نہیں ہے حالانکہ قرآن حکیم  
 ہے شَهِدُوا مَعَ تَتَابَعِ الَّذِي اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ رَمَضَانَ كَمَا نَهَيْدُو  
 ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔

یہ تسلیم ہے کہ یہ انقلابی کتاب لیلۃ القدر ہی میں دنیا کو دی گئی لیکن  
 یہ تسلیم نہیں ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہے اسے اب انصاف سے

بتایا جائے کہ قرآن کا انکار کون کر رہا ہے آپ یا حدیث؟  
 قرآن نے ہمیشہ متعین کیا حدیث نے ہفتے کی نشاندہی کر دی، بتایا جائے  
 کہ دونوں میں کیا منافات ہے، آخری ہفتہ بھی تو آخر رمضان ہی کا حصہ  
 ہے۔ قرآن کی خلافت اور نبی تو آنجناب کر رہے کہ لیلۃ القدر کو جو نزول  
 قرآن والی رات ہے اسے رمضان سے باہر نکال دیا۔

لیلۃ القدر کے مسئلے میں اوپر دو اسلام کی جو عبارت نقل کی گئی ہے  
 اس سے پتہ چلتا ہے کہ لیلۃ القدر دنیا کو ایک ہی بار نصیب ہوئی تھی وہ بار  
 بار نہیں آتی۔ حالانکہ اسی سورۃ القدر میں یہ آیت بھی ہے اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ  
 وَالْمُرُوحُ يُنْفِثُنَّ اَنْزِلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اِنْ تَرَوْهُ فَقَدْ زُلْزَلَتْ اَسْفَلَ سَافِلَاتِ السَّمَاءِ  
 بلکہ یہاں تک بتا دیا گیا ہے کہ جو کچھ مَطْلَعُ الْفَجْرِ پر طلوع ہو کر نکلتا  
 رہتا ہے۔ ان آیتوں سے یہ حقیقت ابھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ لیلۃ القدر  
 ایک ہی بار نہیں آئی تھی ان اوصاف کے ساتھ وہ بار بار آتی ہے ہر حال  
 کہنا یہ ہے کہ حدیث میں لیلۃ القدر کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے قرآن  
 میں اس کے لئے واضح اشارات موجود ہیں لیکن دو اسلام کے مصنف  
 نے لیلۃ القدر کی یہ نئی تفسیر جو تصنیف فرمائی ہے کہ ”وہ حق و باطل کے  
 جھگڑے کا دینے والی اور قیصر و کسریٰ کی تقدیر کا فیصلہ کر دینے والی رات ہے“  
 بولے دماغی آپج کے اور کیا ہے۔ قرآن میں اس طبع زاد مفہوم کے لئے  
 کہاں کوئی اشارہ موجود ہے۔ یہ غالب کی دیوان نہیں ہے۔ رات کی کتاب  
 ہے۔ یہاں شاعرانہ تک بندی اور دماغی سیاحتی کا کھیل نہیں کھیلا جاسکتا۔



برق صاحب نے اس دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل القدر ہر مضامین میں نہیں آتی اور دلیل پیش کی ہے وہ اتنی خشک و غیر ہے کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی عقل و جوش کے دائرے میں رہتے ہوئے اس طرح کی بکی بات اپنے منہ سے نہیں نکال سکتا۔ اور خدا فرماتے ہیں۔

اگر واقعی دلیل القدر ہر مضامین میں آتی ہے تو وہ گزشتہ تین سو برس میں شب بھر جاننے والے چوکیدہ اور دلوں سے طوائفوں اور طوائفوں پر بازو اور سوچوں میں ڈٹے ہوئے فوجیوں کو کیوں نظر نہ آتی۔  
(دعا سلام ص ۱۳۹)

اس عجیب و غریب و زکاوت والا استدلال پر بقرا طرہ و سقراط کی روح بھی پھر کب گئی ہوگی اور گزشتہ تین سو برس کی بات تو ایسی دور کی کوڑی ہے کہ کسی کو آج تک نہیں سوجھی ہوگی کہ کتنی حیرت انگیز دریافت ہے کہ گزشتہ تین سو برس پہلے شب بھر جاننے کا کوئی سکسٹم ہی نہیں تھا۔ اس وقت دنیا میں نہ علاج تھے نہ چوکیدہ اور تھے نہ میدان جنگ میں لڑنے والے سپاہی تھے اور نہ رات کو سفر کن ہوائے قافلے تھے یہ سب تین سو برس پہلے کی ایجاد ہے۔  
برق صاحب کے اس الزام کا جواب یہ ہے اس کے اور کیا دیا جاسکتا ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے غلامی مسافر مسٹر گنگارین نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم نے آسمانی غلامی ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر ہمیں کیس خدا نظر نہیں آیا۔ مذہبی عقیدے کے مطابق واقعی اگر خدا کا کوئی وجود ہے تو وہ

غلامی میں غرور نظر آتا۔ خدا کے وجود کے انکار میں گنگارین کی یہ دلیل جتنی مضحکہ خیز ہے یہاں القدر کے انکار میں مسٹر برق کی دلیل بھی اس سے کم نہیں ہے۔  
(جام کوثر اگست ۱۹۶۶ء)

جسم بے سایہ! | عظمت منصب رسالت اور کمالات نبوت کے انکار کے لئے دیویند کے ایک شہرہ آفاق ماہر کے ایک ایڈیٹر نے اپنے "حاصل مطالعہ نمبر" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا شواہد سے انکار کیا ہے۔ نہ ہر میں جگہ ہوتے قلم کی رو سیاہی ملاحظہ فرمائیں۔

بعض بزرگوں کی محبت رسول نے غلط روایات اور تشبیہ الفاظ سے دھوکہ کھا پاسا۔ شاعر محبوب کو چاند سے تشبیہ دیتے ہیں تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ محبوب کو سائنسی یا طبی یا فنی معنی میں چاند کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح حضور کو نور کہنا ایک تشبیہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ سائنس کشف کا ہوتا ہے اور آپ کی ذات سر سے پاؤں تک نور ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ حضور نے طائف میں پتھر اور غزوہ احد میں زخم بھی کھائے ہیں۔ قلعے سے نکلنے والی روشنی یا چاندان سے ٹھکری جونی فضا میں پتھر چلائیے کیا نور کے جسم سے نور پھوٹ سکے گا؟ ظاہر ہے کہ کشف چیز کی جوت کشف ہی چیز پر پڑتی ہے نہ کہ لطیف پر۔  
(حاصل مطالعہ نمبر ص ۱۲۹)



خدا کا شکر ہے کہ سایہ نمونے کے مستقل غلط روایات کا اقرار کر کے اس بات کا اعتراف کر لیا گیا کہ حضور کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ بے بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کے ثبوت میں روایات موجود ہیں۔ اسی طرح یہ کہہ کر کہ "حضور کو اندکنا ایک تشبیہ ہے" حضور کو نور بھی تسلیم کر لیا گیا۔ اب صرف یہ سوال بحث طلب رہ جاتا ہے کہ جن کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اندکنا گیا ہے اور حضور پاک کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں روایات نقل کی گئی ہیں کیا وہ شعراء کے وادین ہیں۔ ظاہر ہے کہ نہ قرآن شریف کی کتاب ہے اور نہ حدیث شریف شاعروں کے کلام کا مجموعہ ہے۔ قرآن بھی حقائق ہی کا صحیفہ ہے اور حدیث بھی احکام و معارف ہی کا دفتر ہے۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو قرآن و حدیث کے الفاظ و بیان پر مشاعرانہ مبالغہ آرائی کا ارتکاب رکھنا جتنا بڑا ظلم ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اب رہ گیا یہ دعویٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں احادیث کی روایات غلط ہیں تو یہ دعویٰ دو طریقوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ روایت یا روایت سے مراد یہ ہے کہ وہ حدیثیں اصول و قواعد سلسلہ سند اور زوائد کے شخصی حالات کے اعتبار سے ناقابل اعتماد ہیں۔ چونکہ نقلی کے حیرت نے ان حدیثوں کے خلاف اس طرح کی کوئی بحث نہیں اٹھائی ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ کہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب رہ گیا روایت تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ حدیثوں میں جو مسنون بیان کیا گیا ہے عقل انسانی اسے قبول نہیں کرتی۔

ہر پر موصوف نے اپنے مسنون میں اسی رخ پر بحث کی ہے اور قیاس باطل کے ذریعہ سایہ نہ ہونے کے انکار میں طویل معارضات پیش کئے ہیں میں ان کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اسی طرح کا کلمہ چس اور فتنہ پرواز ذہن لے کر کوئی بیٹھا جائے تو انبیاء کے سارے معجزات کا آسان نسخہ انکار کیا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر جو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ بیخاری سے مدعی مجھونے کا عقیدہ رکھتا ہے وہاں بھی یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ عام طبی قانون کے مطابق روشنی چراغ کی لوسے بھوتی ہے یا کسی لطیف شئی سے نہ کہ بشر کے کشف جسم سے۔ پس بتایا جائے کہ کیا اس بنیاد پر ایک مسلمان اس واقعہ کا انکار کر سکتا ہے؟

یونہی جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ مردے کو زندہ کر دیا کرتے تھے وہاں بھی یہ معارضہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ سوکھی ہوئی رگوں بھی جوتی رکھ کر مرے ہوئے دل اور ٹھنڈی لاش میں زندگی کی واپسی عادی اور عقلاً ممکن نہیں ہے اس لئے معاذ اللہ یہ عقیدہ بھی سرتا غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمیں احادیث کی کتابوں میں اس طرح کے بیشمار واقعات ملتے ہیں کہ سرکار کے ایک اخبار سے پر درخت چھوڑ دیا زمین کا سینہ شق کرتے اپنے ستنے کے بل پر چلتے ہوئے حاضر قدم ہوتے تھے اور اشارہ پا کر پھر اپنی اصلی جگہ



پر لوٹ آتے تھے، یہاں بھی قیاس کی ایک بندی لڑائی کے درختوں کا باہت  
بکھڑا چلنا پھر واپس آ جانا اور بڑا چھوڑ دینے کے بعد بھی حسب سابق دینہ  
ترتازہ اور شاداب رہنا طبیعت و عادت کے خلاف ہے اس لئے  
معاذ اللہ یہ واقعات بھی من گھڑت ہیں۔

اسی طرح سرکار کے جسم پاک کے بارے میں عام طور پر یہ روایات ملتی  
ہیں کہ حضور کے جسم پر ٹھکی نہیں بیٹھتی تھی، حضور کا پسینہ خوشبو سے محسوس  
کرتا تھا اور ہزاروں کی بھیڑ میں حضور سے اپنے نظر آتے تھے۔ پھر  
اسی جسم سے ساتھ حضور شب سراج میں آسمانوں پر گئے۔ جنوں کی سیر فرمائی  
اور سدرة المنتہی سے آگے لامکاں تک پہنچے اور خدا کے دیدار سے  
مشرقت ہو کر بحیرہ عافیت واپس تشریف لے آئے۔ یہاں بھی معاذ اللہ  
عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر ان سارے واقعات کا انکار کیا جاسکتا  
ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو طبعی قانون کے  
تحت نوع بشر کے عام حالات سے میل کھاتا ہو۔

ہو سکتا ہے ان سارے اعتراضات کے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہ سارے  
واقعات انبیائے کرام کے معجزات ہیں اور انبیاء کے معجزات خدا کی قدرت  
کے نتائج ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کی قدرت کسی بات سے عاجز نہیں  
ہے۔ اس لئے ان واقعات کو صحیح تسلیم کرنے میں کوئی عقلی اور طبعی ہتھیار  
نہیں ہے۔ بات سو فیصدی نہیں ہزار فیصدی صحیح ہے، لیکن گے ہاتھوں اس  
سوال کا بھی جواب دیدیا جائے کہ جو خدا ان سارے معجزات و واقعات

کے ظہور پر قادر ہے وہ کیا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ اپنے محبوب  
کو ایسا لازمی جسم عطا کر دے جس کا سایہ نہ ہو۔  
(جام کوثر کلکتہ)

## ایک ملعون حرکت

تہذیب جدید نے جو عقیدے دنیا میں تقبیہ کیے  
ہیں ان میں سے ایک دل آزار لعنت  
مزاحیہ کالم اور کاٹون بھی ہے۔ قانون لوگوں کی عزت و حرمت کا محافظ  
بھی جاتا ہے لیکن کارٹون اور مزاحیہ کالم میں اس نے بھی قلم کاروں کو  
چھوٹ دے رکھی ہے۔ اسی چھوٹ سے قائدہ اٹھاتے ہوئے دیوبند کے  
ایک ماہنامے نے ملا ابن العرب کے نام سے ایک سخرہ پالی رکھا ہے۔ کچھ  
لوگوں کا کہنا ہے کہ ملا ابن العرب خود ایڈیٹر ہی ہے جو مسجد سے منسلک ہے۔  
ہرماتہ "ایک ہرزہ سراہ کا رول ادا کرتا ہے۔ حقیقت کیا ہے خدا ہی جانے۔  
اب دینی صحافت کا ایک ایمان سوز اور شرمناک نمونہ ملاحظہ فرمائیے  
کہ ملا ابن العرب مزاحیہ کالم کا سہارا لیکر ریڈیوں کو "زنان عاشقان  
دوبارہ" کہتا ہے اور فریخی ناموں سے ہونیہ کرام اور اولیائے عظام  
کی طرہ مغلظات کی نسبت کر کے خدا کے ان مقرب بندوں کا نہایت  
دل آزاری کے ساتھ مذاق اڑاتا ہے۔

آج کی مغرب زدہ سوسائٹی میں مزاحیہ نگاری ایک آرٹ کی حیثیت  
سے قابل تحسین چیز بھی جانی ہے لیکن وہ خدا کے قادر و تبارک و تعالیٰ



کو حرام قرار دیتا ہے اس کی تعزیرات کا پیمانہ الگ ہے۔ ملا ابن العرب  
مزاحیہ نگاری کے نام پر پہلے ہی یہاں قانون کی زد سے ہٹا جائیں لیکن  
مرنے کے بعد آخرت کے عقاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

"تجلی کا تازہ شمار میرے سامنے رکھا ہوا ہے اسے بڑھنے کے بعد  
میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب ملا کے قلم کی نوک پر شیطان بیٹھ گیا ہے اور اب  
سرکشی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ وہ بدستی میں حضرت رسالت مآب  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تسخر اور استہزار پر اتر آیا ہے۔ چنانچہ ایک  
فرہنی سوال کا جواب دیتے ہوئے ملا ابن العرب لکھا ہے۔

"غزینۃ اس نکین فی احوال العارفین" میں دو سے پیر خواجہ غفری  
کا فرمودہ نقل ہوا ہے کہ حضور عالم الغیب اور عالم نافر تھے خود حضور  
نے صحابی سے فرمایا کہ میں انزل سے اب تک ہر چیز کا علم رکھتا ہوں  
اور قیامت تک ہر شخص میری نظر میں رہے گا چاہے کہیں بھی ہو  
جو لوگ میرے ان اوصاف کا انکار کریں گے ان میں سے کوئی بھگے  
اور یوپی میں ایک شیطانی بستی کا نام دیوبند ہوگا جس سے یہ  
لوگ کیڑے مکوڑے کی طرح جہنم میں گئے۔  
(تجلی دیوبند تسخیر شدہ ص ۷۷)

لا الہ الا اللہ! دیکھ رہے ہیں آپ مزاحیہ نگاری کے نام پر رسول

مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنی دریدہ دہنی کے ساتھ مذاق ادا کیا گیا ہے  
ثقافتوں کے سمندر میں ڈوب مرنے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ ایک فرہنی  
حدیث گراہ کر رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی گئی  
اور اس پر مزید ناپاک جسارت یہ کی گئی کہ جو بات سرکار کی طرف سے  
نقل کی گئی اس کا انداز بیان حد درجہ تسخر آمیز اور مسخک انگیز ہے۔  
مثال کے طور پر "عین عین" یہ ایک نہایت مشکل اور بازاری لفظ ہے  
یہ شریعوں کی نہیں چندول خانے کی زبان ہے۔

ملا ابن العرب نے اگر مسلمانوں کے محبوب آقا کے ساتھ مذاق نہیں  
کیا ہے تو وہ "غزینۃ اس نکین فی احوال العارفین" نامی کتاب میں یہ  
حدیث دکھلائے اور ثابت کرے کہ مصنف ہے لیکر کتاب اور حدیث  
بیک کل کا کل نقل مطابق اصل ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اسے  
یہ بشارت سن لینی چاہیے کہ اس فرستی کی مزاحیاں نہیں تو وہاں  
خود رہے گی۔ ایسے سخروں کو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان  
جہنم میں پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ "من کذب علی متعمداً فلیستہو  
مقطعاً من الناس" جو میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے، اسے  
چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ سرکار کے متعلق علم غیب کا عقیدہ  
غایت کرنے کے لئے جھوٹی حدیث گراہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بشمار  
آیات اور صحیح احادیث کی روشنی میں یہ عقیدہ جھگکا رہا ہے۔



**علم غیب** | دیوبند کا یہی گستاخ منہ علم غیب سے متعلق ایک سوال کے ذیل میں لکھا ہے۔

آپ نہ جانے کس دنیا میں ہیں۔ حضور کو عالم الغیب ماننے اور سوائے کی شیطنت تو عرصہ دراز سے جلوہ دکھا رہی ہے۔  
(ذبحی شہر مکتبہ)

ذرا غیرت ایمانی کے جنبے میں سوچئے کہ انداز بیان کتنا شقاوت بھرا ہے اور دوسری طرف دماغ کا جذام اور دل کی سیاہی ملاحظہ فرمائیے کہ اسی بحث میں کھوڑی دور کے بعد اسی "شیطنت" کا ارتکاب خود اپنے لئے کرتے ہوئے اسے ذرا شرم محسوس نہیں ہوئی۔ اپنی ذات کے سوال پر غیرت توحید بھی مرگئی اور علم و فضل کا پندار بھی خاک میں مل گیا۔

انبیاء کو اگر بعض غیب کی باتیں معلوم ہوئیں تو ان کا ذریعہ وحی یا الہام یا القاء تھا اور ہم لوگوں کا ذریعہ علم الحساب یا قیاس و تخمین اور علم ہیئت وغیرہ ہے۔ یہ فرق ذرا بچ کا فرق ہے۔ اصل ذات و دوڑ جگہ موجود ہے یعنی غیب کا علم جو واقعہ ابھی پیش نہیں آیا کہ پر سوں پیش آگیا وہ فی الحال غیب ہی ہے لہذا جزوی معنی میں ہم سب بفرق مراتب عالم الغیب ہیں۔ (ذبحی شہر مکتبہ)

انکسارات و الحفیظ | جہل مرکب بھی کتنی مشکل چیز ہے کہ اس کا بار ہوا انسان عقل بھی کھو بیٹھتا ہے اور دین بھی۔ صرف شخص واحد کلمہ غیب کہنے پر تو سوئی ہوئی شیطنت جاگ اٹھی اور جو ساری دنیا کے انسانوں کو عالم الغیب کہہ رہا ہے ذرا سوچئے کہ وہ کتنا بڑا شیطان ہے۔

نبوت کی ضرورت کے اثبات میں سینکڑوں برہمنیہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ انسانی دنیا کو نبی کی ضرورت اس لئے ہے کہ خدا کے برحق اس کے ذریعہ ہیں غیب کی خبر دیتا ہے کیونکہ غیب کا علم بجز خدا کی عطا کے ذاتی طور پر کسی کو نہیں حاصل ہو سکتا جو بلا واسطہ الہی ایک ذریعہ کا بھی علم غیب کسی کے لئے تسلیم کرتا ہے وہ قطعاً غارت اسلام ہے۔ قرآن کا یہی فرمان ہے۔ حدیث کا یہی ارشاد ہے اور سارے اندر اسلام کا یہی عقیدہ ہے۔ لیکن چودھویں صدی کا ملاحمت ہے کہ علم غیب کو فدا کے بدلے پر نبوت نہیں ہے۔ بغیر واسطہ الہی کے بھی علم غیب حاصل ہو سکتا ہے ذرا خدا کا غضب ملاحظہ فرمائیے کہ مسلمانوں کو مشرک کہتے تھے عقل پر ہنکار پڑی کہ خود شرک کے دلدل میں پھنس گئے۔

نعوذ باللہ من قہور و انفسنا (ذبحی شہر مکتبہ)

اپنے منہ پر اپنا ہی طما پچھ | دیوبند کا ایک مشہور ماہنامہ جو رسول دشمنی، ناموس جی کی پامالی اور لائق تعزیر مسلم آزادی میں اپنا جواب نہیں دے سکتا۔ اپریل ۱۹۷۷ء



کے شمار میں اس کے ایڈیٹر نے ایک ایسا راز اگل دیا ہے جس کے میں منظر میں مذہبی خیانت اور غلطی پر دیا جاتی کی ایک نہایت عجیب نمکدہ سرنگ تار تار روشنی میں آگئی ہے۔

اہل دیوبند کی طرف سے کئی مسلمانوں کو بات بات پر بدعتی بنانے کی مہم اور اس کے ذیل میں دل آزار یوں کی تفصیلات سے سارا زمانہ واقف ہے یہی وہ ناپاک حربہ ہے جس کے ذریعہ آکے دن وہ ہمارے قومی وجود کو گھاگل کر رہے ہیں اور مسلم معاشرے میں ہمارے غلات بدترین قسم کی مذہبی منافرت پھیلانے رہتے ہیں۔

بدعت کے مفہوم کی تشریح میں سینکڑوں بار دیوبندی علماء کو متنبہ کیا جا چکا ہے کہ ہر وہ مباح چیز جو اپنی ہیئت موجودہ کے ساتھ زمانہ غیر القرون میں موجود نہ ہو اسے بدعت غلات اور حرام کہنا صحیح نہیں ہے اگر اس طرح کے غلط اقدام کی اجازت دیدی گئی تو مذہبی زندگی کا سارا نظام بھل رہے ہم برہم ہو کے رہ جائیگا اور زمانے کے بدلے ہوئے حالات میں شریعت کے دائرے کو وسیع کر کے کام قحطل میں پڑ جائیگا لیکن یہ حضرات دیدہ و دانستہ علمی بصیرت کا خون کرتے رہے اور بدعتی فرقے کی مہم چلا کر مسلمانوں میں نفاق کا بیج پوتے رہے تاکہ مذہبی اجارہ داری کے لئے ایک طبقے کو ذہنی طور پر اپنا غلام بنا کر رکھیں۔

لیکن اب ہزاروں بستیوں کو ویران اور لاکھوں

زندگیوں کو تباہ کر چکنے کے بعد بدعت کی تشریح کے سلسلے میں جس بات کو کل کے اہل عقیدے نے آج اسی کو حق تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کاش آج سے سو برس پیشتر انکو کھل گئی ہوتی تو دیوبند و بیہی کے درمیان اختلافات کی فلیج اتنی وسیع نہ ہوتی۔

اب بدعت کی تشریح کے سلسلے میں مسلک حق کی طرف پلٹنے کا اہل نقد ملاحظہ فرمائیں۔ ماہنامہ تجلی دیوبند میں ہمارا شمار کے کسی شخص نے اپنے گنج العرش کی بابت ایک سوال دریافت کیا ہے سوال کا متن یہ ہے۔

خدی رو زائد گنج العرش پڑھتا ہے۔ ہمارے ایک دوست اس کو بدعت کہتے ہیں۔ ان کی منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔  
(تجلی اپریل ۱۹۲۷ء)

اب بدعتی تجلی کا وہ جواب ملاحظہ فرمائیں جس نے ان کی بدعت کے اکابر کی قائم کی ہوئی بنیادوں کو یک نکتہ ڈھا دیا ہے۔ (زمانے ہیں)۔

جہاں شرک و بدعت سے بچنا انتہائی ضروری ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ کسی فعل و عمل پر شرک و بدعت کا حکم لکھنے میں احتیاط برتی جائے۔ امانت گنج العرش ہو یا دوسری وہ دعائیں جنہیں بزرگوں نے مرتب کیا ہے اور دین پسند عوام بغیر شوق سے پڑھتے ہیں جب تک ان کے معنوں میں کوئی شرعی نقص نہ پایا جائے انکو پڑھنا بدعت نہیں کہلا سکتا۔  
(تجلی اپریل ۱۹۲۷ء)



اللہ اکبر! قدم قدم پر شرک و بدعت کی خاک اڑانے والے اب  
دوسروں کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ کسی فعل و عمل پر شرک و بدعت نہ  
کرم لگانے میں احتیاط برتی جائے۔

انصاف سے بتائیے! جس توجہ و تاویل سے اگلے گنج العرش کا پڑھنا  
بدعت نہیں ہے کیا وہی توجہ و تاویل سیلا و فاختہ میں جاری نہیں  
کی جاسکتی؟ کیا یہاں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سیلا و فاختہ یا قیام و  
سلام یا وہ امور جنہیں بزرگوں نے ایجاد کئے ہیں اور دین پسند عوام  
و ان چیزوں پر ذوق و شوق کے ساتھ عمل درآمد ہے جب تک ان امور  
میں کوئی شرعی نقص نہ پایا جائے ان پر عمل کرنا بدعت نہیں کہلا سکتا۔  
**علم و عقل کی صحیح رہنمائی** اگلے گنج العرش کے بارے میں  
میری جہانی نے اوپر جو بات کہی ہے  
اس کی حیثیت ایک دعوے کی ہے۔ اب اس دعوے کی دلیل سنئے  
اور لٹاؤ فرماتے ہیں۔

اگر ماقصود ہے اللہ سے کچھ مانگنا، مغفرت کا مراد، عافیت  
وغیرہ طلب کرنا، اس کے لئے شریعت نے ہیں کسی خاص نہایت کسی  
خاص و رد کسی خاص، سچ کا پابند نہیں بنایا بلکہ کھلی چھٹی دی کہ جو  
لفظوں میں چاہیں جس زبان میں چاہیں اللہ کے آگے گواہی دیں اور  
اپنی حاجتیں طلب کریں۔ (مجلد اپریل ۱۳۷۷ء)

لٹا ہوا: ایک صدی کے بعد آج آنکھ کی پٹی کھلی اور ضم و عقل کی صحیح  
رہنمائی حاصل ہوئی۔ یہی دلیل جب ہم سیلا و فاختہ اور قیام و سلام کے  
بارے میں پیش کرتے تھے تو آپ حضرات ہمارے موقف کا مذاق اڑاتے  
تھے لیکن آج وہی ان کی آپ بھی کہہ رہے ہیں تو لیجئے اب اپنی ہی بات  
میں ہماری بات سمجھئے۔

اگلے گنج العرش کو جائز قرار دینے کی دلیل میں آپ کہتے ہیں کہ اگلا  
کو مقصود اللہ سے کچھ مانگنا ہے اور اس کے لئے شریعت نے ہمیں  
کسی خاص زبان کسی خاص ورد کسی خاص سچ کا پابند نہیں بنایا  
ہے جو ان کا مدار جب صرت مقصود کے حصول پر ہے اور اس سے کث  
نہیں کہ مقصود کے حصول کا ذریعہ کیا ہے، وہ کب ایجاد ہوا، کن لوگوں  
نے اسے ایجاد کیا تو اتنا اور ذہن نشین کر لیا جائے کہ اس طرح کا اصل مقصد  
اور داعی مومنین کو ایصال ثواب ہے اور اس کے لئے شریعت نے ہمیں  
کسی خاص طریقے کا پابند نہیں بنایا ہے۔ فاختہ، عرس، چھلم گنہار ہوا  
فقہ آیات جس ذریعے بھی مقصود کا حصول ہو اسے عمل میں لانا نقصان  
جائز ہے۔

اسی طرح شریعت کا اصل مقصود ذکر و سوا علی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس  
کے لئے شریعت نے ہمیں کسی خاص طریقے کا پابند نہیں بنایا ہے۔ جلسہ سیلا و  
عقل سیرت، بزم نفست، مجالس ذکر جس ذریعے بھی مقصود کا حصول ہوا  
اسے عمل میں لانا نقصان جائز ہے۔



ذرائع کے متعلق بحث کہ وہ کب ایجاد ہوئے اس نے انہیں ایجاد کیا  
تلفاً خارج از سوال ہے۔

ایصال ثواب ذکر رسول اور تعظیم نبی جو شریعت کا اصل مقصود  
ہے ان کے حصول کے ذرائع کے بارے میں اگر یہ شرط لازمی قرار دیا جائے  
کہ جب تک بعینہ ان ذرائع کا وجود نہ مانہ خیر القرون میں سے انہیں  
جائز قرار نہیں دیا جاسکتا تو پھر سوال دعا کے گنج العرش کے بارے میں بھی  
اٹھایا جاسکتا ہے کہ گو وہ مقصود کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ وہ ذریعہ  
زمانہ خیر القرون کے بعد وجود میں آیا اس لئے وہ بدعت ہے اور اسے  
ہرگز جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ورنہ دونوں میں وجہ فرق بتائی جاسکے۔  
دعا کے گنج العرش کے جواز پر بحث کا اختتام  
**ایک اور ملالہ پنہ** کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔

قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اگر کسی عین عبادت میں محدود  
نہیں۔ لہذا بعد کے نیک لوگ اگر اپنے اپنے انہم کے مطابق نئے نئے  
دعا کے لئے ترتیب دے لیتے ہیں اور ان کلمات سے اختلاف نہ کر  
اٹھاتے ہیں تو اس میں بدعت کا دخل نہیں رہتا۔  
(مجلسی اپیل)

یہاں تاہم تو غرض کہ وہی اسی اسپرٹ میں آنا اور نکلنا  
کہ ایصال ثواب ذکر رسول اور تعظیم نبی بھی کسی عین طریقے میں محدود نہیں

لہذا بعد کے نیک لوگ اگر اپنے اپنے انہم کے مطابق نئے طریقے ان امور کے  
لئے ایجاد کر لیتے ہیں اور ان طریقوں سے اختلاف قائم نہ اٹھاتے ہیں  
تو اس میں بدعت کا دخل نہیں رہتا۔

## دل کا رنگ

میلاد قیام وغیرہ سے یہ بھی کو اتنی سخت نفرت  
ہے کہ بے محنت بھی ان امور کے خلاف نہ ہر انگلی تپتے  
ہیں۔ چنانچہ اس دعا کے گنج العرش کی بحث میں موصوف نے جشن میلاد النبی پر  
جو رد قلم صرف کیا ہے وہ ان کے ذہن آزاد اور قلبی اختلاف کا کھلا ہوا ثبوت  
ہے وحشت فکر کا یہ نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

یہ عت ان نے امور کہتے ہیں جنہیں ثواب کی نیت سے اختیار کیا  
جائے اور شریعت میں ان کی کوئی اصل موجود نہ ہو۔ جیسے سالانہ  
سالانہ جشن میلاد النبی منانا، جشن ثواب کی نیت سے منایا جاتا ہے  
مگر شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اگر یہ باعث ثواب فعل  
ہوتا تو صحابہ بھی حضور کا جشن مناتے۔ نیز حضور خود کسی کچھ پیغمبر  
مخصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یوم ولادت مناتے مگر یہاں  
نہا۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ عین بدعت کی ایجاد ہے اور چونکہ اس کا مقصد  
ثواب حاصل کرنا ہے اس لئے اس کی حیثیت ایجاد فی الدین کی ہے  
جو مبرا سرگراہی ہے۔

(مجلسی اپیل ۱۹۱۱ء)



خدا کی پناہ! دل کی کچی آدمی کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی ہے شریعت  
میں جتن میلاد البیسی کی کوئی اصل موجود نہیں ہے اور وہ بہ نیت ثواب  
سنا یا جاتا ہے اس لئے بدعت اور سترتا سرگراہی ہے۔

لیکن بتایا جائے کہ کیا مرد جب دعائے گنج العرش کی شریعت میں  
کوئی اصل موجود ہے۔ اگر نہیں ہے اور پڑھنے والے بھی اسے بہ نیت  
ثواب ہی پڑھتے ہیں تو پھر اس کا پڑھنا بدعت اور سترتا سرگراہی کیوں نہیں  
ہے۔ اگر جشن میلاد البیسی کے لئے یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ باعث ثواب  
نفل ہوتا تو سچا بہ نیت حضور کا جشن مناتے نیز حضور کسی پچھلے پیغمبر حضور  
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یوم ولادت منانے یا ان میں سے کسی کو پڑھنا  
دعائے گنج العرش کے بارے میں بھی اٹھایا، لیکن ہے کہ اگر اس کو پڑھنا  
باعث ثواب نفل ہوتا تو سچا بہ نیت اسے پڑھتے نیز حضور خود صحابہ کو مردہ  
دعائے گنج العرش پڑھنے کی تلقین فرماتے اور اگر اس بنیاد پر کہ جشن میلاد  
البیسی بعد کی ایجاد ہے اور اس کے انعقاد میں ثواب کی نیت شامل ہوتی  
ہے اس لئے اس کی حیثیت ایسا دینی الدین کی ہے اور نہ سترتا سرگراہی ہے  
تو ضرور انصاف کیا جائے کہ بعد کی ایجاد ہونے کی بنیاد پر دعائے گنج العرش  
کی حیثیت کیوں نہیں ایجاد دینی الدین کی ہے نہ اور وہ کیوں سترتا سرگراہی  
نہیں ہے؟

اگر آپ کہیں کہ اس بات سے ہمیں الزام نہیں ہے کہ دعائے گنج العرش  
بعد کی ایجاد ہے لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ اسے پڑھنے والے بہ نیت ثواب

پڑھتے بھی ہیں تو خدا کا شکر ہے کہ یہ ثبوت آپ ہی نے فراہم کر دیا ہے اس  
دعائے گنج العرش کی بحث میں آگے چل کر آپ تحریر فرماتے ہیں۔

جب کوئی شخص دعائے گنج العرش پڑھتا ہے یا مولانا اثر فعلی کی جاتی  
مقبول و مردہ ہے تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی ایسا ثواب  
حاصل ہوگا اور دعائے گنج العرش سے اس سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔  
(تخلی اپریل ۱۹۶۷ء)

متفانی ہیں۔ نہایت تصنیف کرنے کے بعد بھی ثواب کی نیت سے انکا  
نہیں ہے۔ دعائے گنج العرش جو یا تھا تو کی صاحب کی مناجات مقبول پڑھنے  
والے کو ثواب مردہ سے گا۔ اب وہ کیا ثواب کی نوعیت کا سوال تو یہ  
تعلق مردہ سے ہے۔ اس سے نفس ثواب کے لئے نیت کی  
شمولیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں اب میں یہ تخلی اور ان کے حوالہ  
سے صرف اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جشن میلاد البیسی بھی بعد کی ایجاد  
اور دعائے گنج العرش بھی بعد کی ایجاد جشن میلاد میں بھی نیت ثواب  
کی شمولیت اور دعائے گنج العرش میں بھی نیت ثواب کی شمولیت پھر  
یہ بات قطعاً عقل و نقل کے خلاف ہے کہ دعائے گنج العرش کا پڑھنا جائز و  
مستحسن قرار دیا جائے اور جشن میلاد البیسی کو ایجاد دینی الدین بدعت اور  
سترتا سرگراہی سے تعبیر کیا جائے۔ ماکمل الزام واضح ہے مقدمہ سر



دو متضاد فیصلے یا تو کھلے ہو یا گل ہیں سب یا پھر دیدہ و دانستہ انصاف و  
دیانت کا خون ہے۔ اور اس جذبے کا محرک صرف رسول و شہنشاہ  
ہے۔ (جام نور گلستا میں شہید)

**سرچہ حاجادو** دیوبند کا رسوائے زمانہ ماہنامہ جو مذہب  
اپنی سنت کی روایات کے خلاف دیدہ  
و بینی اور دشنام طرازی میں بے مثال کہ داد کا مالک ہے اس نے  
پہلے کے شمارے میں ایصالِ ثواب کے عنوان سے ایک سوال کا جواب  
دیتے ہوئے لکھا ہے۔

بہ کسی نے کہ دیا کہ خدا کے یہاں کسی قسم کی سفارش نہیں ملتی۔ یہ تو  
گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے۔ (جملی)

اللہ! کہ ہوا ذہا قلم کا منسومانہ تو تو دیکھئے! اپنے ہی گھر کی کہی  
ہوئی بات پر اس طرح انجھار حیرت زما رہے ہیں جیسے آپ کسی کو دنیا  
کے رہنے دانے ہیں۔

”انہامی کتاب کی طرح آپ حضرات کے گھروں میں رکھی جانے والی  
”تقویٰ الایمان“ انہی دنیا سے ناپید نہیں ہوئی ہے اس کے ابتدائی صفحات  
کھول کر پڑھ لیجئے معلوم ہو جائیگا کہ کس نے کہا ہے اور کیا کہا ہے سفارشات

کا انکار ہی نہیں اس میں تو یہاں تک کہ دیا گیا ہے کہ جو رسول عزوجل  
صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے پاس اپنا سفارشی اور وکیل سمجھتا ہے وہ  
اور ابو جہل دونوں شرک میں برابر ہیں۔

کل عیب ہم کہتے تھے کہ شفاعت و توسل کا انکار گمراہ فرقوں کا عقیدہ  
ہے تو آپ حضرات کے بدکنے کا تقاضا قابل دیدہ ہوتا تھا لیکن خدا کا شکر  
ہے کہ آج وہ وحشت انگیز الفاظ آپ کی زبان پر بھی جاری ہو گئے ہیں  
دل پر پھر دکھ کر ذرا اتنا اودھ کہ ڈالے کہ تقویٰ الایمان جس میں عقیدہ شفاعت  
کا شد و حد سے انکار کیا گیا ہے وہ اردو زبان میں گمراہ فرقوں کی سب سے  
پہلی کتاب ہے۔

باللہ جب ایک گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے آپ حضرات کو  
ذرا بھی دیر نہیں لگتی کہیں تو شفاعت و توسل کے انکار میں نامہ عمل  
کی طرح ورق کے ورق سیاہ کر ڈالتے ہیں یہاں تک کہ رسول پاک  
صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے  
حق میں یہ جملہ بار بار نقل کیا جاتا ہے کہ ”تم اس گھٹ میں مت رہنا  
کہ رسول اللہ کی بیٹی ہو یا والدہ کہ لو کہ خدا کے یہاں کوئی سفارش نہیں  
ہو سکتی! اور اب اپنی بے گناہی کا انکار کیسے کرے! گمراہ کن عقیدہ  
وہ سرور کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔“

تقریباً ایک صدی سے خوش عقیدہ مسلمانوں کے خلاف آپ حضرات  
جو جنگ لڑ رہے ہیں اور شرک و تبرہ یعنی کفر کا الزام لگا کر جس بیدردی



کے ساتھ آپ حضرات نے امت کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے اس کی بنیاد سوا  
اس کے اور کیا ہے کہ اہل سنت کا گروہ و محبوبان حق کو خدا کی جناب میں  
اپنا وسیلہ و سفارش بھی کر ان کے قدموں سے لگا رہتا ہے۔

یہ اگر شرک ہے تو ہم نے کب آپ سے درخواست کی ہے کہ اس شرک  
کا ارتکاب آپ بھی کیجئے لیکن یہ کیا شیوہ نفاق ہے کہ کل ایک تو آپ  
معتقدہ شفاعت کی بنیاد پر ہیں مگر وہ کہتے تھے اور آج انکار کرنے والوں  
کو گمراہ قرار دے رہے ہیں۔ اس پر بھی ہم اصرار نہیں کرتے کہ آپ اپنے  
پچھلے ہی موقف پر رہئے لیکن اتنی بات ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ اب  
تجربہ کار خاندان سے کام نہیں چلے گا۔ صاف صاف اس گمراہ فرقے کے گمراہی  
سیکھے جو شفاعت کا انکار ہی ہے صرف اتنا کہنا کافی نہیں ہے کہ خدا  
کے پاس کسی قسم کی سفارش نہیں چلی سکتی یہ گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے۔  
اگر واقعی یہ کوہِ رجب کی بات نہیں ہے بلکہ تعمیر کی آواز ہے تو حق شناس  
اور دینی عقیدوں کے وہ سارے القابات واپس لے لیجئے جو ہمارے پورے  
سے لیکر تھکانہ بھونٹا آپ حضرات نے تقسیم کر رکھے ہیں نیز ان تمام  
کتا بوں پر سے بھی اپنی بے اعتدالی کا اعلان کیجئے جنہوں نے عوام میں  
گمراہ کن عقیدوں کی اشاعت کر کے لاکھوں خاندان کو آخری تباہی  
کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ اور ہمارا یہ مطالبہ غیر معقول اور بلاوجہ  
نہیں ہے کیونکہ اصولی طور پر ایک بات مان لینے کے بعد اس کے ذیل کے  
منازعے لوازمات کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔

## ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب کا مسئلہ بھی اکثر اہل حق پر بھگے ہوئے قلم  
کے نشانے پر رہتا ہے۔ اس واسطے کہ کون سی گالی  
جو کسی مسلمانوں کو نہیں دی جاتی۔ قبر پر پڑتی، قبور کی شریعت، بدعتی عقیدہ،  
دیو مالائی رسوم، شرک و بدعت اور نہ جانے کتنے القابات ہیں جو ایصالِ ثواب  
کے حایوں کے لئے ڈھالے گئے ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ موسم کی طرح ہر  
جسٹے واسطے یہ غلطیاں اولیٰ بند ایک سنگ پر نہیں رہتے۔ ایک ہی چیز  
کو شرک و کفر ہے اور شام تک ایسا ہو جاتی ہے۔ رات کے اندھیرے  
میں حلال سمجھتے ہیں اور دن کے اجالے میں حرام کہنے لگتے ہیں۔

مثال کے طور پر اسی ایصالِ ثواب کے سلسلے میں یہ بھی گالی انداز فکر  
جاء عامہ اور دل آزار ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے لیکن اپنے ایک ہم سفر  
دوست کے ایصالِ ثواب کے لئے ذرا نصیحت و ترغیب کے یہ الفاظ ملاحظہ  
فرمائیں۔

موتیوں کو زندوں کی دعاؤں اور صدقات وغیرہ سے فائدہ پہنچنا  
وہ علمِ حق کا بنیاد پر ہے یعنی احادیث سے ثابت ہے۔

(تجلی)

آگے لکھتے ہیں۔

سزا و جزا کا قانون یہی جگہ درست لیکن ہم بندوں کو اپنے والدین اور



اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔  
(تجلی)

بات ابھی اُدھوری ہے اس میں امتنا اور شامل کر دیا جائے تاکہ مسلمان کی صحیح ترجمانی ہو جائے کہ کوئی مسلمان مر جائے تو ایصالِ ثواب کی غرض سے لوگوں کو قہقہہ ہو کر قرآن پڑھنے سے روک دینا چاہئے نہ نیت ایصالِ ثواب غریبار و مساکین کو صدقہ کرنے کے لئے اگر کھانا پکا یا جائے تو اسے حرام قرار دینا چاہئے۔ تبرکے پاس کھڑے ہو کر اگر کوئی فاتحہ پڑھے اور مغفرت و ثواب کی دعا مانگے تو اسے ہاتھ پکڑ کر بیٹھا دینا چاہئے اور اس کے ساتھ دعا یہ بھی کہتے رہے کہ "بسم بندہ دل کو اپنے والدین اور مسلمان بھائیوں کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب سے غافل نہیں رہنا چاہئے؟ ایک طرف سب کچھ کرنا چاہئے اور دوسری طرف کچھ نہیں کرنے دینا چاہئے۔ اس زیادہ شائستہ اور جذبات فریب دنیا کو نہیں دیا جاسکتا۔ وہ تو احسان مانے اہل سنت کا کہ انھوں نے ایصالِ ثواب کے معروف ذرائع کا مسلم معاشرہ میں داخل کر کے بے زبان مردوں کی زوہالی آسائش اور اخروی منفعت کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ دہہ آج کے بندگانِ اغرائی جو زندوں کی خیریت تک نہیں پوچھتے وہ مردوں کو کیا نفع پہنچاتے۔

ہم سے زیادہ خیر الام اور کون ہو سکتا ہے اس دنیا میں کہ نفع پہنچاتا ہے مردوں کو اور گالیاں سنتے ہیں ہم۔

## علم و دیانت کا خون

دینی منصب کا یہ سانچہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک طرف تو علماء دیوبند ایصالِ ثواب

لئے قرآن خوانی، اجتماعِ مسلمین، تہذیبی پروم اور انتظام و تدبیر کو بدعت و حرام ٹھہراتے ہیں اور دوسری طرف اپنے پیشواؤں کے انتقال پر عجمی دولت و حرام کو اپنے ملحق کے نیچے لگا دیتے ہیں۔ چنانچہ مولوی انصر حسین صاحب دیوبند کی اپنی کتاب "حیاتِ شیخ الحدیث میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کے انتقال پر ان کے لئے ایصالِ ثواب کی مجالس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دفن سے اگلے روز (یعنی دس ستر دن) پختہ شدہ گور اور معلوم میں طلبہ علم جمع ہوئے۔ نہایت شوق اور خلوص قلبی سے ایک ایک پچیس ہزار کلمہ شریف کا ختم تین بار ہوا۔ اور بالترتیب قرآن مجید پچیس پڑھے گئے۔  
(حیاتِ شیخ الحدیث ص ۱۵۷)

اس کے بعد چار سو کی تقریب ملاحظہ ہو۔

یکشنبہ کو جامع مسجد میں بعد نماز صبح شہر کے تمام مسلمان اور دارالعلوم کے تمام طلبہ و مدرسین و متعلقین جمع ہوئے۔ اکثر لوگ ترانہ شریف پڑھتے رہے اور کچھ کلمہ طیب۔ اس طرح باقاعدہ قرآن دار میں قرآن ختم ہوئے۔  
(حیاتِ شیخ الحدیث ص ۱۵۹)



شیخ دیوبند مولانا حسین احمد صاحب کی موت پر ان کے ایصالِ ثواب کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی اختر الحسن دیوبند نے یہ دس دارالعلوم دیوبند اپنے مفسرین میں لکھتے ہیں۔

تین روزہ سببِ شرفِ قرآن خوالی تبسج و تعقیل اور ایصالِ ثواب پورے  
اسباق بند رہے۔ اساتذہ و طلبہ اور جملہ کارکنان دارالعلوم دیوبند  
اسی مشغلہ پاک سے دل بہلاتے رہے۔  
(اجلیۃ شیخ الاسلام شریف)

ذرا اہل انصاف غور فرمائیں! کہ اپنے مولانا کے ایصالِ ثواب کے لئے جس مشغلہ کو پاک کما جازہ رہا ہے اسی کو عام امواتِ مسلمین کے لئے ناکستہ کئے علماء دیوبند کی زبانیں غلبہ ہو گئیں اور لکھتے لکھتے قلم ٹھس گئے۔  
تین روزہ سببِ شرفِ قرآن خوالی، تبسج و تعقیل، اسباق کی بندشیں دینی تعلیمی کاروبار کا تعطل اور تعین وقت کے ساتھ اجتماع، ان سارے امور کی کوئی مثال عہد رسالت اور عہد صحابہ میں ملتی ہو تو اس کی نشان دہی فرمائی جائے۔ اور اگر زمانہ خیر القرون میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے تو یہ الزام قبول کیا جائے کہ آپ حضرات کے یہاں شریعت و دین کی طرح کی سبب ایک دوست کے لئے ہے اور ایک اپنے لئے ہے۔

اور سنئے! جمعیۃ العلماء نے دینی کے جزاں سکرٹری مولوی مفتی الرحمن صاحب سیواری کی وفات پر دیوبند کی مجلسوں نے ایصالِ ثواب کے لئے جو سہارا

سرگرمیوں کا مظاہرہ کیا ان کا مختصر سا خاکہ ملاحظہ فرمائیے۔ سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند کی رپورٹ پڑھیے۔

دارالعلوم میں فوراً ایصالِ ثواب کے لئے کلکٹ طلبہ کے ختم کا اعلان کر دیا گیا جس میں دارالعلوم کے تمام طلبہ اساتذہ اور کارکنوں نے شرکت فرمائی۔

(اخبار سیاست جدید کا پورہ)

مولوی منت اختر خانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے بھی ان کے ایصالِ ثواب کے لئے جو اپیل شائع کی تھی اس کا یہ حصہ پڑھنے کے قابل ہے۔

حضرت مولانا (حفظ الرحمن) کے لئے ختم قرآن ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا مسلمان پورا پورا بندہ مست کریں۔  
(اخبار آزاد او ہند کلکتہ)

اسی موقع پر جمعیۃ علماء یوپی کے دفتر سے بھی ایک اپیل شائع ہوئی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

جمعیۃ علماء یوپی تمام مسلمانوں سے تمام تعلیمی اداروں سے اپنی تمام شاخوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کریں۔  
(سیاست جدید کا پورہ)



سنی عوام کو بدعتی کا طعنہ دینے والے ایک بار پھر مذکورہ بالا اقتابات  
پڑھ جائیں اور ذرا غور فرمائیں کہ مولانا قسودا انھن سے لے کر مولوی محفوظ الرحمن  
یکساں اپنے سرووں کے ایصالِ ثواب کے لئے جن رسومات کا اہر تذکرہ کیا ہے؟  
ان میں رائج شدہ کون سی بدعت ہے جو باقی برہنہ کی ہے؟ اجتماعِ مسلمین،  
اجتماعِ جماعتی، تعینِ یوم، تخصیصِ وقت، تسبیح و تہلیل اور قرآن خوانی وغیرہ  
سبھی میں نہیں آتا کہ وہی معاملات میں اپنے اور بیگانے کا اختیار کیوں بنا  
جاتا ہے۔ جو چیزیں دیوبندی حضرات کے حق میں اور خیر اور پاک ہیں وہی  
سنی مسلمانوں کے حق میں کیوں بدعت و ناپاک ٹھہرائی جاتی ہیں؟ اس مقام  
پر مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ جب حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے  
تو صرف ذہنی تفریح اور دماغی عیاشی کے لئے آست میں بنا دھیلانے کا مشغلہ  
ابھارتیان دیوبند کو ترک کر دینا چاہیے۔ (جام نور کلکتہ جون ۱۹۶۷ء)

**فکری تصادم کی ایک دلچسپ کہانی**

حدیثات کی حمایت میں مسلمانوں کے گروہ کے دو قابلِ اعتماد رہنماؤں کے تاثرات  
پیش کر رہے ہیں۔ ان کے بہ تاثرات اگر افلاص و حقیقت پر مبنی ہیں تو اس  
سے زیادہ ہمیں اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ کسی بھی اختلافی مسئلے میں بحث کے  
ایک رخ کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد دوسرے رخ کا ابطالی و انکار  
و بائنت و انقضائ کی بدولت ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ تاثرات  
حقیقی نہیں بلکہ نہائشی ہیں تاکہ سیاسی اقتدار کے لئے مسلم اکثریت کو سخر

کیا جاسکے تو ہمیں کہنے دیا جائے کہ اس سے زیادہ جذبات فریب دنیا  
کو نہیں دیا جاسکتا۔

ان دونوں حضرات میں سے ایک صاحبِ جماعت اسلامی کے سربراہ  
مطلق جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہیں اور دوسرے جناب مولانا  
کوثر نیازی صاحب ہیں۔ جو پہلے جماعت اسلامی حلقہ لاہور کے امیر تھے  
لیکن اب جماعت اسلامی کے لئے نشر ہیں۔

**داتا کی شگرمی** | جناب مولانا کوثر نیازی صاحب مدیر شہاب  
لاہور تھے "داتا کی شگرمی" کے عنوان سے سلطان

العارفین حضرت داتا گنج بخش لاہوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس شریف  
پر جو تبصرہ فرمایا ہے اس کی نقل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

سلطان العارفین حضرت علی زجوری عین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ  
کا نوسو بائیسواں عرس لاہور میں مخصوص روحانی جاہ و جلال اور تقویٰ  
محبت کی فضا میں منعقد ہوا۔ سفرانی پاکستان کے دور دراز ملکوں سے  
عقیدت مند اجوام و راجوم دربار میں حاضر ہوئے اور گنج بخش کے کھلے  
خزانے سے برکت کی جھولیا بھر کر لے گئے۔

حضرت داتا کے روحانی فیوض و برکات اپنی جگہ پر مسلم اور  
مراعات دان کے سے بالا ہیں۔ مزار پر انوار کرداروں و دلوں کے  
عقیدت و احترام کے مرکز کی حیثیت سے جو روحانی مسکین ہجوم ہوتی



ہے اور جس تلبی اطمینان و سکون کے خزانے کا ہے اس پر شہ کرنا حق ہے  
 کی توڑوں سے انکار کرنا ہے۔ انکار غیر نظری ہوگا اور دنیا کی کوئی  
 بڑی سے بڑی مادہ پرست سائنس اس انکار کو جائز نہیں سمجھے گی۔  
 ان کے علاوہ اس مرکز عقیدت و احترام کے کچھ علمی پہلو بھی ہیں  
 جو اپنی جگہ پر اہم اور قابل توجہ ہیں۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ کون  
 سے نو سو بائیس سال قبل اس مرد حق آگاہ کا وصال ہوا جو ایک مفکر  
 مشہور کے سر زمین لاہور میں تشریف فرما ہوا تھا ان دنوں پیگمہ دریا  
 راوی کا کنارہ تھی۔ حضرت داتا گنج بخش نے اس کنارے پر ایک  
 جھوپڑی تعمیر فرمائی اور اللہ کا نام بلند کرنے کے فرائض کی تکمیل میں  
 مصروف ہو گئے۔

بعض تادمی شواہد کے مطابق لاہور ان دنوں میں بودھ دور  
 کا مرکز تھا اور اس کی مختصر سی آبادی کی اکثریت اس عظیم عقیدے  
 کی پیروی کرتی تھی جو براہمنی سامراج کے خلاف رد عمل کے طور پر پیدا ہوا  
 اور جس کی آواز نے براہمنی سامراج کے قلعے کو اس زور سے متزلزل کیا  
 کہ برہمنوں کے بڑے بڑے خدام لڑنے پر اندام ہو گئے۔ ہاتھ بڑھ  
 جدید تحقیقات کے مطابق ذاتی طور پر ناسک تھے یعنی خدا کے  
 وجود کا احساس و وجدان انہیں حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ ان پر جو  
 بات مشکوک ہوئی وہ انسان کی نیکی کی توہین تھیں جو خود انسان کے  
 اندر قدرتی طور پر موجود تھیں۔

براہمنی سامراج نے اپنی مخصوص پاؤں کے مطابق ہاتھ بڑھ کر اپنے  
 خداؤں کی نرست میں ایک بھود کی حیثیت سے شامل کر لیا اور ہاتھ  
 بڑھ کی وفات کے چند سو سال بعد بودھ و ہرم ہندوستان میں ہندو  
 دھرم کے ایک فرقے کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا حضرت داتا گنج  
 بخش رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور میں تشریف لائے اس وقت بودھ دور  
 ہندو دھرم کے ایک فرقے کے طور پر رائج ہو چکا تھا اور ہاتھ بڑھ  
 بودھی پوجا کے مرکز بن چکے تھے۔

دوسرے نقطوں میں یوں کہہ لیجئے کہ لاہور بہت پرست تھا حضرت  
 سلطان اعارفین نے شرک کے اس مرکز میں وحدانیت کی شمع بیک  
 کی اور اس کام کو آگے بڑھانے کی جدوجہد شروع کی جس کا آغاز  
 ایک پیش رو کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔

حضرت داتا نے اس کام کو کس خوبی کے ساتھ آگے بڑھایا  
 خود نیا ذروایات میں اس کے جو بعض حسین اور دل نشین انداز نظر  
 آتے ہیں ان میں سے ایک انداز یہ بھی ہے کہ کم از کم شمالی ہند کے  
 وسیع و عریض علاقے میں اسلام کی نشر و تبلیغ کا ایک وسیع سلسلہ  
 قائم ہوا جس کا مرکز حضرت مکرم کا واجب الاحترام مزار ہے۔  
 اس کا ایک بہت خوبصورت اظہار یہ ہے کہ اس علاقے میں وقت  
 اور رسالت کی تبلیغ کر نیوالے تمام بڑے بڑے شایخ، حضرت مکرم  
 ہی کے مزار پر چند کرتے اور اسکی دربار فیض سے اجازت اور قوت



عمل حاصل کرتے تھے۔

اجودھن اسو جودہ پاک پٹن کے عظیم شیخ حضرت پانزیہ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دربار کے دائرہ اثر میں چلے کیا اور وہیں سے فیض پایا۔ حضرت شیخ اجیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی آستانے سے اجازت حاصل کی۔ دوسرے لفظوں میں حضرت داتا گنج بخش کے فیضان کی وجہ سے لاہور شہابی ہند کے علاقے میں اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کی ایک بہت بڑی تنظیم کا ہیڈ کوارٹر قرار پایا۔ (شہاب لاہور ۳۴ جون ۱۹۷۶ء)

**قلم کا حق** | سزاوارتہ گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کے سلسلے میں مولانا کوثر نیازی کے دشوات قلم کے یہ خط کشیدہ فقرے دوبارہ پڑھئے۔

مزار پر انوار گردوں کی عقیدت و احترام کے مرکز کی حیثیت سے جو روحانی تسکین بہم پہنچاتا اور جس کی اعلیٰ شان و سکون کے خزانے لٹاتا ہے اس پر شبہ کرنا عقیدے کی قوتوں سے انکار کرنا ہے۔

وعدائیت و رسالت کی تبلیغ کو نیوالے تمام بڑے بڑے مشائخ حضرت مکرم ہی کے مزار پر چل کر رہے اور اسی دربار میں سے اجازت آتے عمل حاصل کرتے تھے۔

قلم کا یہ نوشتہ اگر مرد مومن کے اس ضمیر کا اعتراف ہے جو صرف حق

سمجھ کر کسی بات کو قبول کرتا ہے تو میں مولانا کوثر نیازی سے مرد مومن کے کردار کی توقع رکھوں گا۔ نیازی صاحب اس مکتب فکر سے پہلے خبر نہ ہوں گے جو مزارات اولیاء کے سلسلے میں نہایت مخدوش اور جارحانہ ذہن رکھتا ہے۔ حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کے لئے اس موقع پر غیر منقسم ہندوستان کی ایک ملک گیر تنظیم خلافت کمیشن کے وفد کی ایک رپورٹ کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جسے ہندو بھان خیز و اقوات کی تحقیقات کے لئے ہندوستان سے حجاز بھیجا گیا تھا۔

اس ملک و دستان کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۶ اگست ۱۹۲۵ء کو ایک پریس رپورٹ نے لندن سے ہندوستان کی خبر رساں دیکھنیوں کو ایک بار بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

باد ثوق ذرائع سے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ دہلیوں نے جرینے پر حملہ شروع کر دیا ہے جس سے بہت نقصان ہوا۔ مسجد نبوی کے تہہ کو جس میں رسول اللہ کی قبر ہے صدمہ پہنچا اور سیدنا حمزہ کی مسجد شہید کر دی گئی ہے۔

(رپورٹ خلافت کمیشن)

اس لرزہ خیز خبر سے اچانک اسلامیان ہند میں ایک قیامت نما بھان پرا ہو گیا۔ پناہی مستقل عوام کے مطالبے پر خلافت کمیشن نے مختلف جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک وفد حالات کی تحقیقات کے لئے حجاز



روانہ کیا۔ خلافت کیلئے کا یہ دو سرا وفد تھا جو مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل تھا۔  
 ۱۔ سید سلیمان ندوی ۲۔ مولانا محمد عرفان ۳۔ مولانا ظفر علی خان  
 ۴۔ سید غوث شہید حسن ۵۔ مولانا عبدالماجد بدایونی ۶۔ مسٹر شعیب قریشی  
 وفد نے وطن چھوٹ کر اطلاع دی کہ۔

مگر میں جنت النبی کے مزارات شہید کر دئے گئے ہیں۔ مولانا النبی  
 دینی جس مکان میں حضور کی ولادت باسعادت ہوئی تھی (تور دیا  
 گیا ہے۔ لیکن نجدی حکومت نے یقین دلایا ہے کہ دینے کے مزارات  
 رہا کر کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جائے گا۔ رپورٹ خلافت  
 کیلئے حکم، مرتب کردہ سید سلیمان ندوی وغیرہ

پھر وفد میں موثر عالم اسلامی کی کانفرنس میں شرکت کے لئے خلافت کیلئے  
 کی طرف سے ایک اور وفد مقرر کر دیا گیا اس موقع پر وفد مذکور نے  
 چشم دید واقعات اور اپنے راجی تاثرات کی جو رپورٹ شائع کی ہے  
 اس کا یہ حصہ خاص طور سے پڑھنے کے قابل ہے۔

۱۱۔ مئی کو اکبر جہان ساحل پر ٹنگراندہ ہوا اس وقت سب سے پہلی  
 جو جہت نکلا اور ٹنگر گوار خبر میں موصول ہوئی وہ جنت البقیع اور  
 دیگر مقامات کے انہدام کی تھی۔ لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں

قابل کیا اس لئے کہ سلطان ابن سعود خلافت کیلئے کے دو ستر وفد  
 کو تحریری وعدہ دے چکے تھے کہ وہ دینہ منورہ کے تمام مزارات  
 تاثر کو اپنی اصل حالت پر رکھیں گے۔  
 (رپورٹ خلافت کیلئے ۱۲۰)

اس کے بعد کا یہ ٹنگر ابراہی عبرت انگیز ہے۔ خون شام آنکھوں سے پڑھے۔

لیکن جدہ پہنچ کر ہم نے سب سے پہلے ایک رکن حکومت شیخ عبدالعزیز  
 حقیقی سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی تو انھوں نے تصدیق  
 کی اور یہ فرمایا کہ نجدی قوم بدعت اور کفر کے امتیصال کو اپنا پہلا  
 فرض خیال کرتی ہے اور اس سلسلہ میں وہ دنیا کے اسلام کے مصالح  
 کی کوئی پروا نہیں کریں گے خواہ دنیا کے اسلام خوش ہو یا تاراج۔  
 بہر کیف حالات و واقعات یہ ہیں کہ ہوں سلطان عبدالعزیز  
 کے تمام حکمتی اور واجب الایثار وعدوں کے باوجود دینہ منورہ  
 کے تمام جگہ گرد دئے گئے ہیں۔  
 (رپورٹ خلافت کیلئے ص ۱۱)

اور یہ بھی

اس سے بھی زیادہ افسوس ناک چیز یہ ہے کہ مکہ معظمہ کی طرح دینہ منورہ  
 کی بعض مسجدیں بھی نہ بچ سکیں اور مزارات کے قبوں کی طرح  
 یہ ساجد بھی توڑ دی گئیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ ابھی تک متصل جگہ



۱۔ مسجد ثنائیہ دار جہاں جنگ احد میں حضور کا وہ ان مبارک شہید ہوئے  
۲۔ مسجد مناسکین ۳۔ مسجد مائتہ ۴۔ مسجد احباب (وہ لوگ کے سادہ پوش مشہور)

وہ کے اور اکین نے اپنی رپوٹ میں مدینہ طیبہ کے منہدم شدہ مزارات  
کی جو فہرست مشائخ کی ہے وہ اشک بار آنکھوں سے اسے بھی پڑھ لیجئے۔

### منہ اسیات شہداء دیان رسالت

۱۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ۲۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا  
۳۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۴۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا  
۵۔ حضرت فاطمہ صفراء بنت حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہا

### منہ ارات ازواج طہیات

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲۔ ام المومنین  
حضرت زینب رضی اللہ عنہا ۳۔ ام المومنین حضرت سوداء رضی اللہ عنہا  
۴۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کُل نو ازواج  
طاہرات جن کے مزاروں کی قطار حتمہ کُل کی طرح شاداب رہ کر رہی  
(منہ ارات صحابہ و تابعین)

۱۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۲۔ حضرت سیدنا عثمان  
ابن مظعون رضی اللہ عنہما ۳۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہما  
۴۔ حضرت سعید ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہما شہزادہ رسالت

حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ ۵۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ  
۶۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ (رپوٹ ملے)

خلافت کبھی کے وفد کی یہ رپوٹ غیر جانبدار حضرات کی چشم دید اطلاق  
پر مشتمل ہے اس لئے اس کی صحت پر کسی طرح کا کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا اس  
رپوٹ کی روشنی میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کوثر نیازی  
حضرت و آثار کتب بخش کے جس مزار کو عقیدت و احترام کا مرکز قرار دیکر اسے دھانسی  
لٹا دیا اسودگی کا سرچشمہ سمجھ رہے ہیں اور جس کے گرد انھوں نے وحدت  
رسالت کے مبلغین کو اکٹبا کر کے دیکھا ہے وہ ان مزارات طہیات سے بڑھ کر  
نہیں ہے جن کے ساتھ نجد کے وحشیوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں اور قدموں کی  
ٹھوکروں سے گستاخیوں کا مظاہرہ کیا ہے

ان لورہ خیر واقعات پر اگر مولانا کوثر نیازی کی آنکھیں نیم ہو گئیں  
تو میں انھیں باور کرانا چاہتا ہوں کہ مزارات اور وہ حالی مراکز کے سلسلے  
میں یہاں بھی وہ گروہ موجود ہے جو ذہنی طور پر ہمیشہ لئے اس وقت کا انتظار  
کر رہا ہے جب عقیدت و قانون کا پہرہ اٹھ جائے اور آزادی کے حق ملک  
کی معنوی جنتوں کو دیرانوں میں تبدیل کر دیں۔ اقتدار کی بچاؤ کی بجائے  
عالم میں آج جو لوگ مزارات کے چمکتے ہوئے پھولوں پر برس اور اس کے  
سے آگ برسا رہے ہیں انھیں طاقت کے وسائل بھی میسر آجائیں تو  
کیا داتا کی نگری خواجہ کی چوکت قطب و نظام کی بستی اور کلیہ



پاک چین کی آبادی سلامت رہ جائے گی؟ واضح ہے کہ جرائم کے ارتکاب میں اصل چیز ذہن کی آمادگی ہے کہ گزرنے کا مرحلہ تو بہت بعد کا ہے۔ مولانا کوثر نیازی واقعہ و اتانہ گنج بخش کے مزار مبارک کو عقیدت و احترام کا مرکز اور روحانی خزانہ و برکات کا سرچشمہ سمجھتے ہیں تو انھیں قلم کے محاذ پر حق کے تحفظ کے لئے قیام رجا جانا چاہئے۔ مزارات کی حرمتوں پر پاکستان میں بھی حملہ آوروں کی کمی نہیں ہے 'فامان' ترجمان القرآن' اعتصام، پشاور وغیرہ کے نام سے مختلف مقامات پر جو محاذ جنگ کھولے گئے ہیں وہ کوثر نیازی کی کو آواز دے رہے ہیں کیا نیازی صاحب ہرجے کے مفادات سے بالاتر ہو کر صرف حق کی حمایت کے لئے اس آواز کا جواب دیں گے۔

**خلافت کعبہ کا جلوس** چند سال ہوئے پاکستان میں خاد کعبہ کا خلافت تیار کیا گیا تھا۔ جب اس کی تیاری کا کام مکمل ہو گیا تو جماعت اسلامی کے سربراہ اعلیٰ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے غایت ترنگ و احتشام کے ساتھ اس کی شائش کا اہتمام کیا 'بڑے بڑے شاہراہوں پر اس کا جلوس نکالا اور سیشل ٹریپوں کے ذریعہ شہر شہر اس کی زیارت کرائی اس موقع پر بعض حلقوں کی طرف سے نہایت سنگین شتم کے اعتراضات کیے گئے۔

اعتراض کر نوالوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو ہمارے حوالہ تربیت کے ذریعہ بات بات پر شرک و بدعت کہنے کے عادی بنادے گئے ہیں۔ چنانچہ

ان اعتراضات پر مولانا مودودی کے نام ایک مراسلہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور میں شائع ہوا جس کے مندرجہ ذیل حصے گہری توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

حال میں بیعت اللہ کے خلافت کی تیاری اور نگرانی کا جو شہرت پاکستان کو اور آپ کو ملتا ہے وہ باعث فخر و سعادت ہے۔ مگر اس سطح میں بعض حلقوں کی جانب سے پہلے تو آپ کی نیت پر حملے کیے اور یہ کہا گیا ہے کہ وہ اصل آپ اپنی اور اپنی جماعت کے دائرہ شرافت چاہتے تھے اور اپنی پلسی کو بنا چاہتے تھے اور آئندہ انتخابات میں کامیابی کے خواہش تھے اس لئے آپ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا تاکہ شہرت بھی حاصل ہو اور الیکشن فنڈ کے لئے لاکھوں روپے بھی فراہم ہوں۔ ترجمان القرآن لاہور جلد ۱۷ صفحہ ۷۷

مولانا مودودی کی شخصیت پر بے اعتدالی کا اظہار کرنے کے بعد اب شرعی نقطہ نظر سے اعتراضات کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

اس کے بعد بعض اعتراضات اٹھوئی اور دینی رنگ میں پیش کیے گئے ہیں مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ —  
(۱) خلافت کعبہ کو قرآن و حدیث میں شفاء تراثر کے ذریعہ میں شفاء



نہیں کیا گیا اس لئے غلط یا بدعتا و اس کی تقدیر میں کوئی عظیم ضرورت نہیں  
ہے۔ یہاں پر اس کا ایک ٹکڑا ہے اس سے نہ اندیشہ نہیں خواہ پر کچھ کی پتھری  
بنے یا نہ بنے۔

غزوات کعبہ کی نہائش و زیارت اور اسے جلوس کے ساتھ روانہ کرنا  
ایک بدعت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدہ کے دور  
میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا حالانکہ غزوات اس زمانے میں بھی چڑھایا جاتا  
تھا اگر غزوات کی نہائش کرنا اور اس کا جلوس نکالنا جائز ہے تو پھر  
ہر ہی اقربائی کے اونٹوں کا جلوس کیوں نہ نکالا جائے جنہیں قرآن نے  
صراحت کے ساتھ شاعرانہ قرار دیا ہے۔

یہ غزوات ابھی چڑھایا نہ گیا ہو بلکہ چڑھانے کے لئے تیار کیا گیا ہو  
وہ تو محض پرانا ہے آخر وہ کیسے متحرک ہو گیا ہے کہ اس کی زیارت کی  
اور کرائی جائے اور اسے اہتمام کے ساتھ جلوس کی شکل میں روانہ  
کیا جائے۔

جو پہلے بھائے خود اعداد فی الدین اور بدعت منوعہ ہونے  
کے علاوہ بہت سے دیگر بدعات، منکرات اور عبادت کا موجب ہے  
چنانچہ غزوات کی اس طرح کی زیارت اور نہائش کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ  
مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوا ہے عورتوں کی پلے پر دگی اور  
بجھرتی ہوئی ہے، جائیں ٹاف ہوئی ہیں، اندرانے چڑھا کے گئے ہیں،  
غزوات کو چھوٹا کیا ہے اس کے گرد طواف کیا گیا ہے اس سے بڑی غلطی

طلب کی گئی ہیں حتیٰ کہ اس کو سجسے کے گئے ہیں اور اسے حضرت  
محمد و م علی و جویری کے مزار پر چڑھایا گیا ہے۔  
ترجمان القرآن لاہور جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۰

مولانا مودودی کا وجہ جواب

اپنے اسی فکر ہی ماحول  
میں اٹھتے ہوئے ہیں  
کی اس قیامت خیزی کا جو جواب مولانا مودودی نے سپرد قلم فرمایا ہے  
وہ اس لحاظ سے بہت زیادہ دلچسپ ہے کہ اپنی گلوٹلاسی کے لئے مسک سے  
انحراف کی حیرت انگیز کوششوں پر وہ مشتعل ہے جس فراخ دلی کے ساتھ  
مولانا نے اپنا سارا مکتب فکر اپنی دفاع کی نذر کیا ہے وہ انہی کے قلب و  
جگر کا حصہ ہے۔ جواب کے مندرجہ ذیل ہر اگر ان چشم حیرت سے پڑھنے کے  
قابل ہیں۔ اپنی شخصیت پر الزامات کی صفائی پیش کرتے ہوئے ارشاد فرما  
ہیں۔

اقتضیٰ بہتر جانتا ہے کہ میری نیت ان پر کیسے منکشف ہو گئی اگر وہ  
تعلیم بنی ات الصلوات اور ہونے کے دلی ہیں تو یہ اس شرک  
بدعت سے اشد چیز ہے جس پر وہ گرفت فرما رہے ہیں۔ اور اگر انھوں  
نے محض قیام و مکانات کی بناء پر یہ بات سیرا طرت منسوب فرمائی  
تو شاید انھیں قرآن و حدیث میں صرف شرک و بدعت ہی کی برائی  
ملی ہوگی۔ بتان انھوں کے متعلق احکام الہی کی نگاہ سے نہیں گزرے  
ہوئے۔ (ترجمان القرآن جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۰)



اس میں کوئی مشبہ نہیں ہے کہ نیتوں کا حال صرف خدا جانتا ہے اور  
لازم ہے کہ جہگانی کی راہ سے ہتان دائرہ قرآن وحدیث کی نظر میں رہنا  
مصلحت ہے۔ لیکن بندہ پروردگار کیا پوچھ سکتا ہوں کہ قانون کے تحفظات  
صرف آپ ہی کے حق میں نازل ہوئے ہیں یا اور بھی کوئی شریک ہے  
زحمت نہ ہو تو ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھئے: آپ کی مشہور کتاب "تجدید دینیات" دین  
کی پسلیں کس کے قلم سے منظر قریب پر ثبت ہوئی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ خدا کے واحد و قہار  
کی خدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خدائی کی دوسری اقسام تو  
رخصت ہو گئیں مگر انبیاء اور اہل شہداء صاحبین مہاریبہ قطار  
ابدال، ملکہ و مشائخ کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں رہی  
جنگ کائنات میں جہاں دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک  
بندوں کو خدا بنا لیا۔ (تجدید ص ۱۱)

شرکاء پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ زیارت، نیاز، عرس، عید، چڑھاؤ  
نشان علم، قرآن مجید اور اسی قسم کے دوسرے نہ ہی اعمال کی بجائے  
شریعت تصنیف کر لی گئی۔ (تجدید ص ۱۲)

پرانی جاہلی قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ

شرکاء تصورات لئے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف  
کر لی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ  
معبود تلاش کریں، پرانے معبودوں (بتوں) کی جگہ مقابر اولیاء  
کام لیں۔ (تجدید ص ۱۳)

نیک بندوں کو خدا بنا لیتے، ایک نئی شریعت تصنیف کر لیتے اور مقابر  
اولیاء کو بتخانے کی جگہ استعمال کرنے کا الزام عقیدہ تہذیب ان اولیاء کی ہمتوں  
پر حملہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ مزارات مقدسہ کی فیض رسانوں پر یحییٰ  
رکھنے والوں کے دلوں کے روزن بھانک کر کیا آپ نے دیکھا ہے کہ دہلی  
پرستش کے لئے واقعہ نیک بندوں کے احصاء نام رکھے ہوئے ہیں؟  
یونہی خانقاہی روایات، زیارت و فاتحہ اور عرس و نیاز پر عقیدہ  
رکھنے والوں سے کبھی آپ نے دریافت کرنے کی زحمت فرمائی ہے کہ شرکاء  
پوجا پاٹ کے تبادسے میں وہ یہ مراسم انجام دیتے ہیں یا ان تمام چیزوں  
سے ان کی غرض ایسا مال ثواب اور اظہار عقیدت ہے۔

صد حقیقت کہ اپنے سر سے جن الزامات کے دفاع کیلئے آپ نے کتاب  
سنت کا سہارا لیا ہے وہی الزامات دوسروں کے سر ڈالتے ہوئے  
آپ کو ذرا بھی دقت پیش نہیں آئی۔ دنیا کا کون مسلمان ہے جو انبیاء و  
اولیاء کو اپنا معبود مانتا ہے اور احصاء کی جگہ قبروں کی پرستش کرتا ہے۔  
ہمیں کہنے دیجئے کہ مسلمانوں پر اس طرح کے الزامات عائد کرنے والے



یا تو علیہ السلام اب اللہ ذر ہونے کے مدعی ہیں یا پھر یہ گمانی کی راہ سے  
بیتان و انزار جیسے بدترین مدامعی کے مرتکب ہیں۔

اب جواب کا دوسرا پیرا اگر ان ملاحظہ فرمائیں، تحریر فرماتے ہیں۔

شعارِ اللہ کے لفظ کا اطلاق صرف انہی چیزوں پر نہیں ہوتا جن کے لئے  
اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے بلکہ ہر وہ چیز جو خدا پرستی کی علامت  
ہو شعارِ اللہ میں شمار کی جاسکتی ہے اور جس چیز کو بھی اللہ جل شانہ کے  
حضور و جہ کے لئے کی نیت کر لی جاسے اس کا احترام بجا و درست ہے  
یہ احترام اس شئی کا نہیں بلکہ اس خدا کا ہے جس کے لئے اسے حضور  
کرنے کی نیت کی گئی ہے۔

(ترجمان القرآن)

خدا کا شکر ہے کہ آج اپنی دفاع کے لئے آپ کے چارے منہ کی باتیں  
ہے۔ رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیامِ تعلیمی کی دلیل میں بار بار ہم نے  
وہ آیت پیش کی جس میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ شعارِ اللہ کی تعظیم  
بجالاتوں کے تقویٰ کی نشانی ہے بالآخر آج وقت نے ایک سچی بات کا  
آپ سے اعتراف کروا ہی لیا۔ اب فرمایا جائے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ذاتِ خدا پرستی کی علامت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان کی تعظیم کو ضروری  
کی تعظیم آپ حضرات کیوں سمجھتے ہیں؟ اپنے دلوں کو کیوں نہیں سمجھاتے کہ انکی

تعریف کی جائے یا تعظیم؟ خدا پرستی کی علامت ہونے کی حیثیت سے دراصل  
یہ ساری تعریف و تعظیم اس خدا کی ہے جس نے انہیں کائناتِ کبر عظمیٰ  
کا مالک اور لاشریک نظامِ کائنات کا حاکم بنایا ہے پھر علی اللہ  
کے ساتھ روحانی اور تباہ اور ان کے مزارات کی زیارت اگر خدا  
پرستی کے رشتے سے غیب ہے تو بتایا جائے کہ کبھی ہمیں دشمنانِ حق اور  
کفار کی تہوں پر بھی کھڑے ہوتے دیکھا ہے؟

اب جواب کا تیسرا پیرا اگر ان پڑھیں۔ بدعت کے شرعی مفہوم پر  
ایک فیصلہ کن بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

کسی فعل کو بدعت نہ کہ لازماً دین کے لئے صرف یہی بات کافی  
نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا تھا لغت  
کے اعتبار سے تو ضرور ہر نیا کام بدعت ہے مگر شریعت کی اصطلاح  
میں جس بدعت کو خلافت قرار دیا گیا ہے اس سے مراد وہ نیا کام  
ہے جس کے لئے شارع میں کوئی دلیل نہ ہو، جو شریعت کے کسی قاعدے  
یا حکم سے متصادم ہو جس سے کوئی ایسا فائدہ حاصل کرنا یا کوئی  
ایسی منفرت نفع کرنا متصور نہ ہو جس کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہو  
جس کا نکلنے والا اسے خود اپنے اوپر یا دوسروں پر اس ادا  
کے ساتھ لازم کہہ کہ اس کا نہ کرنا گناہ اور نہ کرنا فرض ہے



یہ صورت اگر نہ ہو تو مجرد اس دلیل کی بنا پر کہ فلاں کام حضور کے  
زمانہ میں نہیں ہوا اسے "بدعت بعین خلافت" نہیں کہا جاسکتا۔

بخاری نے کتاب الحجہ میں چار حدیثیں نقل کی ہیں جن میں بتایا  
گیا ہے کہ عہد رسالت اور عہدِ خلفین میں حجہ کی صرف ایک اذان  
ہوتی تھی۔ حضرت عثمان نے اپنے دور میں ایک اذان کا اور اضافہ  
کر دیا لیکن اسے بدعت خلافت کسی نے بھی قرار نہیں دیا بلکہ تمام  
امت نے اس کی بات کو قبول کر لیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "ما احدثت من بعد  
بدعت اور احداث کا تلفظ استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ  
انھا لہن احسن ما احدثوا یہ ان بہترین نئے کاموں میں  
سے ہے جو لوگوں نے نکال لئے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ بدعت  
ہے اور انھیں بدعت ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ ما احدثت الذلک  
شیئاً احب الی منھا لوگوں نے کوئی ایسا نیا کام نہیں کیا  
جو مجھ سے زیادہ پسند ہو۔ حضرت عمرؓ نے تراویح کے بارے  
میں وہ طریقہ جاری کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد  
میں نہ تھا وہ خود اسے نیا کام کہتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں انما  
البدعۃ خلافہ (کیا ہی اچھا یہ نیا کام ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجرد نیا کام ہونے سے کوئی فعل بدعت  
نہ ہو نہ نہیں بن جاتا۔ لہذا اسے بدعت نہ ہو نہ بنانے  
کے کلمہ شرطیہ ہیں۔

اہم نووی شرح مسلم کتاب الحجہ میں کل بدعۃ ضلالت  
کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "علمائے کما ہے کہ بدعت بمعنی  
باعتبار لغت نئے کام کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک بدعت واجبہ ہے  
دوسری بدعت مندوبہ ہے (یعنی پسندیدہ) تیسری بدعت حرام  
چوتھی مکروہ اور پانچویں مباح ہے۔"

اور تحقیق یہ ہے کہ جو نیا کام شرعاً مستحسن کی تشریف میں آتا ہو  
وہ اچھا ہے اور جو شرعاً مسمیہ کام کی تشریف میں آتا ہے وہ برا  
ہے ورنہ پھر مباح کی قسم میں سے ہے (فتح الباری)  
(ترجمان القرآن)

بدعت کی تشریح میں جو حقائق اور سپرد قلم کئے گئے ہیں ان سے اگر صرف  
اپنا دفاع مقصود نہیں ہے بلکہ واقعہ سبک بھی یہی ہے تو قطعاً نہ طور  
پر عرض کروں گا کہ اب ان تمام لٹریچر کو مسترد میں عزت کر دیا جائے  
جس نے ہند پاک کے کروڑوں مسلمانوں کو بدعتی بنانے کی مہم چلا کر دیئے  
اسلام کا امن و امان غارت کیا ہے اور دینی عدالت کے کمرے میں  
ان تمام بائیانِ فتن کو ایک بہ کار مجرم کی طرح کھڑا کیا جائے جنہوں نے



ذہنی انجساز اور دماغی تفریح کے لئے میلاد و قیام اور عرس و ناگہانہ غلات  
ایک ہونا ایک قسم کی پیکار چھیڑ کر مسلم معاشرہ کو دو ملتوں میں تقسیم کر دیا  
ورنہ ثابت کیا جاتا ہے کہ غلات کعبہ کی نمائش اور اس کے جلوس کے  
جواز کے لئے بدعت کی جو تشریح آپ کے حق میں قابل قبول ہے وہ  
میلاد و قیام اور عرس و ناگہانہ کے جواز کے لئے ہمارے حق میں کیوں  
قابل قبول نہیں ہے ؟

اب جواب کا چوتھا پیرا گراف ملاحظہ فرمائیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

اس اصولی وضاحت کے بعد اب میں عرض کرتا ہوں کہ غلات  
کے کپڑے کا جلوس نکالنا اور اس کی نمائش کا انتظام کرنا جو  
ایک نیا کام تھا جو ظہور رسالت اور زمانہ غلات راشدہ میں نہیں  
ہوا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ کام اس بنا پر نہیں کیا کہ میں اصل اس کی نمائش  
کرنا چاہتا تھا اور اسے دھوم دھام کے ساتھ بھیجنا چاہتا تھا  
میری سیکیم میں شامل تھا بلکہ میں نے یہ پروگرام اس وقت بنایا  
جب سادہ رنگ میں اس کے لئے عوام کے اندر بے پناہ جذبہ  
خود بخود بھڑک اٹھا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شوق اگر  
خود اپنا راستہ نکالے گا تو بڑے پیمانے پر مگر ایسی پھیلتے کا موجب  
ہو جائے گا۔

(ترجمان القرآن)

اگر وہ کام شرعاً جائز و محمود تھا تو اس عذر رنگ کی قطعاً کوئی ضرورت  
نہیں ہے اور اگر وہ حرام و قبیح تھا تو اب اس سے بحث نہیں کہ وہ آپ  
کی سیکیم میں شامل تھا یا نہیں ؟ آپ کی طرف دینی معصیت کے ارتکاب  
کے لئے اس کا ارتکاب ہی کافی ہے۔

اپنی صفائی میں "عوام کے اندر بے پناہ جذبہ شوق" بھڑک اٹھنے  
کی بات جتنی مضحکہ خیز ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ کسی امر کے جواز اور  
اس کی سربراہی کے لئے اگر یہ دلیل کافی ہے تو پھر مولانا سودی کو  
یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اعراس اور عید میلاد کی محافل کے لئے  
عوام کے اندر کس قیامت کا جذبہ شوق بھڑکتا رہتا ہے اس بنیاد پر  
ان امور غیر کی سربراہی بھی انھیں قبول کر لینی چاہئے۔

ہر حال! سارگ ہو کہ مولانا کی سربراہی میں نہایت تنگ و  
احتشام کے ساتھ خانہ کعبہ کے غلات کی نمائش ہوئی، جلوس نکلا اور  
کا اختلاط ہوا۔ جانیں تلف ہوئیں۔ اندر مانے چڑھائے گئے۔ غلات کو چھا گیا  
اس کے گرد غلات کیا گیا اس سے اپنی حاجات طلب کی گئیں یہاں تک  
کہ اسے مسجد کے لئے لے گئے۔ ایک نہیں ایک درجن بدعتیں مولانا کے قتل  
ہواؤں میں پروان چڑھ گئیں اور مولانا نہ صرف یہ کہ دیکھتے رہے  
بلکہ انھیں سند جواز بھی عطا فرمادی۔

اب جواب کا آخری پیرا گراف ملاحظہ فرمائیں اور وہ سوال جو بھی ہم  
ان سے کہتے تھے کہ خود انھوں نے اپنے آپ سے کیا ہے۔ زائد بارگوش آیا کہ



اب میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کس فقہی قاعدے سے میں بدعت  
مضلات کا مرتکب ہوا ہوں اگر سب بدعت کے بجائے کوئی صاحب  
مجھے بتا دیں کہ پھر بھی یہ بدعت مضلات ہی ہے تو مجھے لازم اور ثواب  
ہونے میں ذرہ برابر تامل نہ ہوگا۔

اگر لوگ اس بنا پر اس کا دین غلام کہہ لیں کہ اس کا احترام  
کے لئے اللہ کے گھر کے لئے جارہا ہے یا وہاں سے اتر کر آیا ہے تو اس  
احترام کو نامزد بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو اس نسبت کا احترام ہے  
جو اسے اللہ کے گھر سے حاصل ہو گئی ہے اس احترام کے لئے اللہ کی  
عظمت و محبت کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں۔ اس احترام کو کوئی  
شخص واجب اور اس کی کسی خاص شکل کو لازم قرار دے تو غلط  
ہے لیکن کوئی اسے مذہب و کفر کے اور خواہ مخواہ شرک قرار دے  
تو یہ بھی زیادتی ہے۔

(ترجمان القرآن جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۱)

دیانہت و انصاف سے بتائیے کہ کیا اس طرح کی زیادتی آپ حضرات  
نے اپنی سنت کے ساتھ نہیں کی ہے۔ اہل اللہ کے مزارات تبرکات اور  
ان کی طرف منسوب چیزوں کی جب ہم تعظیم کرتے ہیں تو وہاں آپ کیوں نہیں  
یقین کرتے کہ احترام و عقیدت کا یہ سارا اہتمام شوق اس نسبت کے لئے  
ہے جو انھیں اللہ والوں کی ذات سے حاصل ہو گئی ہے اور لاریب کہ اس  
احترام کے لئے اللہ کی عظمت و محبت کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں ہے۔

کیا ہم جماعت اسلامی کے متعلقین اور جمعیہ دلوں سے یہ توقع رکھیں  
کہ اپنے سربراہ اعلیٰ کے ان جوابات کی روشنی میں آئندہ وہ کسی مسئلہ  
کو مشرک اور بدعتی بنانے کی ہم سے باز رہیں گے۔  
(جام نور کلکتہ جولائی ۱۳۷۱ء)

## مولانا کوثر نیازی کا جواب

جام نور نے جولائی کے شمارے  
میں "فکری تضاد" کی ایک

دکھپ کمانی کے عنوان سے ہفتہ وار شہاب لاہور کے ایڈیٹر مولانا  
کوثر نیازی کے ایک مضمون "داتا کی نگری" پر جو تبصرہ کیا تھا موصوف نے  
۳۰ جولائی ۱۳۷۱ء کے شہاب میں جام نور کے تبصرے پر نہایت فائدہ  
منتقد فرمائی ہے۔ تنقید کے بعض دکھپ حصوں پر جام نور کا جوابی تبصرہ  
ملاحظہ فرمائیں۔

جام نور نے مولانا موصوف کو اہل سنت کی روایات و عقائد کے  
منکرین کے زمرے میں شمار کیوں کیا ہے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے  
مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

جہاں تک شہاب یا ایڈیٹر شہاب کے متعلق مولانا ارشد القادری کے  
ارشادات کا تعلق ہے ان کے متعلق ہمارا تاثر بڑا عجیب ہے مثلاً  
ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا ارشد القادری نے کچھ غور سے قائم فرمائے



اور ان پر برحق اساتیزی کے ساتھ دواں دواں ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ان کی حیثیت اور مہم کو بھی پوری طرح اپنے ذہن کی گرفت میں نہیں آنے دیا۔

بنیادی مفروضہ تو یہی ہے کہ ایڈیٹر شہاب اہل سنت کے مقتصد روایات کا منکر ہے یا اللہ جب یہ واقعہ کب ہوا تھا جس کا علم نہ شہاب کو بھی نہ ہو سکا۔ آیا مولانا اس روایت کی کچھ تفصیلات بیان فرمایا گئے کہ ایڈیٹر شہاب کے عقائد کب چوری ہوئے اور مولانا دستہ القادری کو اس حال اطلاع کن ذرائع سے چو پگئی۔

(شہاب لاہور)

سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے الزام کی بنیاد مفروضے پر بھی متعاقب، واقعات کی شہادت کو مفروضے "کھنڈے سے پہلے" مولانا کے لئے ضروری تھا کہ اس سلسلے میں وہ مجھے اپنی معلومات کے انھار کا موقع دیتے ہر حال اب جمل بحث کی طرف مولانا موصوف کی توجہ مبذول کرتا ہوں۔

اہل سنت کا لفظ بحث کے جس موقع پر میں نے استعمال کیا تھا وہی سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اہل سنت سے میری مراد کون لوگ ہیں۔ بقول مولانا کوثر نیازی تو سوا بیس برس سے وحدانیت درمات کی تبلیغ کرنے والے جو تمام بڑے بڑے مشائخ حضرات و امامین بخش کے مزار پر چلے کرتے اور ان کے دربار میں سے اجازت و اذن مل کر لے کر آتے آتے

ہیں انہی کے ہم عقیدہ گروہ کو ہم اہل سنت کا صحیح مصداق سمجھتے ہیں اور جو طبقہ اس گروہ سے القادری مستفاد ہے اور اس کی متواتر روایات کو شرک و بدعت قرار دیتا ہے عام اذہن کے وہ دیوبندی ہوں یا اہل حدیث یا ان کے حامی و پیروا ہم قطعاً انھیں منکرین میں سے شمار کرتے ہیں۔

اہل سنت کی ان روایات کے خلاف دیوبندی مکتب فکر کا انتہا پسندانہ مزاج اور ذہن کی فحش جارحیت سے مولانا تیار نہ کیے بغیر نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ جس شد و حد کے ساتھ دیوبندی مذہب فکر کے مراکز و مراکز اور اس کے مذہبی رہنماؤں کی تقدیس و تعویب اور تائید و حمایت فرماتے رہتے ہیں وہ محتاج ثبوت نہیں ہے۔

مثال کے طور پر امریکی مشاعرے کے شہاب میں ترطاس و تلم کے پرمکھان موصوف نے "خاتون پاکستان" کے غوث اعظم نیر محمد تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

یا عید القادری شب ثانیہ اور گیارہویں شریف وغیرہ کے سلسلے کے مندوبات سے ہمارے اہل علم کا ایک طبقہ ضرور متاثر ہوا ہوگا اور یہ اختلافی حصہ اس نیر میں جگہ نہ پاتا تو بہتر تھا۔

(شہاب لاہور)

انسان سمجھے ایک طرف مولانا تیار نہ کیا اہل سنت کی روایات کے حامی بھی ہیں اور دوسری طرف منکرین کا احترام اس درجہ ملحوظ خاطر ہے کہ کسی



درق پر اپنی سنت کی روایات کا ذکر تک گوارا نہیں فرماتے۔  
 مولانا کو منکرین کے جذبات کا اتنا ہی پاس تھا تو انھوں نے خود  
 شہاب کے صفحات پر "وانا کی نگری" کے عنوان سے اپنے وہ تاثرات کیوں  
 سپرد قلم فرمائے جن سے منکرین کا اختلاف قطعی ناگزیر ہے۔ یہی وہ مقام  
 ہے جہاں سے قلم کا اخلاص مشکوک نظر آنے لگتا ہے۔

جلد سترہ کے طور پر یہ بات نکل آئی ورنہ کہنا تھا کہ مولانا کو اثر  
 نیازی اس "اہل علم طبقے" کے مذہبی موقف سے قطعاً باخبر ہیں جو بیانیہ  
 وہی اہل سنت کی روایات کا منکر ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کی  
 تقدیس و تصویب فرماتے ہیں۔ غالباً مولانا موصوفت اس سے انکار نہیں  
 کریں گے کہ منکرین کی تقدیس و تصویب بھی انکار ہی کی ایک صورت  
 ہے۔ اب خود مولانا کا عمل اگر اس کے خلاف ہے تو اس الزام کا  
 جواب وہ خود سوچیں کہ ان کے یہاں قول و عمل کا تضاد کیوں ہے۔

البتہ جماعت اسلامی کے معاملے میں مولانا کی بالخصوص اس طرح کے تضاد  
 سے بے داغ نظر آتی ہے۔ بعض نظریات و انکار یا طریقہ کار سے اختلاف  
 کی بنیاد پر مولانا اسے گمراہ کن جماعت قرار دے چکے ہیں تو اب کلیتہً  
 اس کی حمایت اور اس کے رہنماؤں کی مدح سرائی سے بھی دستبردار ہیں  
 حالانکہ جزدی اچھا نہیں کہاں نہیں ہوتی ہیں۔

یہ قطعاً ایک الگ بحث ہے کہ اہل سنت کی روایات کو حق بجانب  
 سمجھتے ہوئے مولانا نیازی کو ان جماعتوں کی تصویب و حمایت کرنی

یا ہے یا نہیں بن کا کتب فکر نہ صرف یہ کہ اہل سنت کی ان روایات کے  
 قطعاً مخالف سمت میں ہے بلکہ انھیں شرک قرار دے کر وہ بالواسطہ  
 اہل سنت کے اسلام ہی کا منکر ہے اس لئے کہنے دیا جائے کہ مولانا نیازی  
 منکرین کی تصویب و مدح سرائی کے اپنے حق بجانب ہونے کی ہزار تہاویں  
 کر سکتے ہیں لیکن اہل سنت کو مطمئن نہیں کر سکتے کہ وہ منکرین کے ذہن  
 میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ عقل و دماغ کی سلامتی کے ساتھ بیک وقت  
 ایک جگہ دو متضاد حیثیتوں کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً مولانا بھی  
 اس سے انکار نہیں کریں گے کہ اسلام میں حق و باطل، شرک و توحید،  
 کفر و ایمان اور صحیح و غلط کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے

مولانا نیازی نے بہت سے اس کی تفصیل دریافت کی ہے کہ ایڈیٹر شہاب  
 کے عقائد کب چوری ہوئے چوری کی تاریخ کب تو اس وقت ہم بتا سکتے ہیں  
 ان کی موجودگی کی تاریخ ہمیں معلوم ہو۔

البتہ سترہ سال کی مدت جو جماعت اسلامی کے ساتھ والہانہ وابستگی  
 میں گزری ہے جس کا اقرار خود مولانا کو بھی ہے، وہ قطعاً تاریخ کے  
 اجائے میں ہے۔ ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے مستقدمات و انکار سے  
 ہم آہنگ ہونے کے بعد ہی انھوں نے جماعت کے عہدہ رکنیت سے ملے کہ  
 علاقہ لاہور کے قیام کے منصب تک اپنے آپ کو پہنچایا تھا:

اور واضح رہے کہ جماعت اسلامی کے جن نظریات کو بروئے کار لائے



لئے مولانا نے جماعت کے عہد نامے پر اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے ان میں  
عرس و آئین کے متعلق یہ نظریہ بھی شامل ہے۔

شرکاء پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ زیارت، عرس، عید، چڑھاوے،  
نشان، علم، قرآن اور اس قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک  
شریعت تعینت کر لی گئی۔

(تجربہ پیر ۱۵)

دوسرے مقام پر اس نظریے کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

پرانی جاتی قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے سابق  
بہت سے شرکاء و تصورات لئے چلے آئے۔ یہاں ان کو صرف اتنی  
تعریف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے  
کچھ نئے معبود تلاش کریں پرانے معبودوں (بت خانوں) کی جگہ  
مقابر اور ایسے کام لیں۔

(تجربہ پیر ۱۵)

ان اقتباسات کی روشنی میں اب چوری کی تاریخ کی نشاندہی کے  
سلسلے میں اتنی بات ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے عہد نامے پر دستخط  
کرنے سے پہلے اہل سنت کی ان روایات سے متعلق اگر مولانا کے عقیدے سے  
مختلف بھی تھے تو اس دن یقیناً چوری ہو گئے جس دن انھوں نے اس کتب

فکر کے توثیق نامے پر دستخط ثبت فرمائے جو ہائیکہ دہلی ان روایات کو  
شرکاء پوجا پاٹ اور عہد نامے پرستی قرار دیتا ہے۔

مولانا نیازی کہہ سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی رکنیت قبول کرنے  
وقت قلعہ سیری نیت یہ نہیں تھی کہ میں اپنے ستوارش عقیدوں کو  
خارج کر دوں۔ میں عرصہ کر دوں گا کہ چوری آریں جہ غیر یاری کی حالت  
میں ہو کر رہتی ہے۔ آپ نہ بھی اس کی نیت کرتے جب بھی کسی خاص نظام  
فکر کے قبول کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے مخالف سمیت کے  
خارج سے نظام فکر سے آپ انکار کر رہے ہیں جہاں عقل و دماغ کی  
ہر گاہ میں ذہن و فکر کا یہ کھلا چہرہ تھا وہ ہے وہی شریعت اسلام کی حد  
میں بھی یہ سب بڑا جرم ہے کہ بیک وقت اس عقیدہ و شریعت سے سمجھوتہ  
کیا جائے۔

مولانا نیازی اپنی رٹاں میں کہہ سکتے ہیں کہ مدت ہوئی دو جہات  
اسلامی سے متعلق ہو چکے اب ان پر کیا الزام ہے۔ بات سونیصدی مجمع  
ہے لیکن استغفار کے پس منظر سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے  
ہیں کہ استغفار کی وجہ اہل سنت کی روحانی تقریبات کو پوجا پاٹ اور  
عہد پرستی قرار دینے والے نظریات نہیں ہیں بلکہ سربراہ جماعت کی  
امریت، جاہرانی یا عیسائی اور غلط طریقہ انکار ہے۔ اہل سنت کی روایات  
سے فکر کی تھادرم کی بنیاد پر اگر مولانا استغفار چھوٹے تو ستر سال کی



جیسا کہ ہم نے اپنے جولاہی کے شمارہ میں

بحث کا دوسرا رخ | ہم نے اپنے جولاہی کے شمارہ میں  
نہ ہی معتقدات کی بابت اقرار کیا  
کے رد عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا۔

نہی بھی اٹھائی سکے میں بحث کے ایک رخ کی صحت تسلیم کر لینے کے  
بعد دوسرے رخ کا انکار و ابطال و یا نہت و انصاف کی رودی ضروری  
ہو جاتا ہے۔

(جیم نر کلکٹر)

مولانا نیازی کو اس مسئلہ سے انکار ہی نہیں شدید انکار ہے۔ وہ  
فرماتے ہیں۔

یہ مسئلہ اس وقت یقیناً درست رہے گا اور قابل قبول نہیں اٹھائے گا

بنیادی عقائد اور اصولی مسائل پر جو۔ لیکن جہاں صرف ذریعہ ہو جسکی

بنیاد انفرادی رجحان طبع یا ذوق ہو وہاں ابطال یعنی چھ؟

اگر کسی ایک فرد کی روحانی تسکین اس میں ہوتی ہے کہ وہ

بزرگوں کے مزارات پر حاضری دے اور ان کے نام کو مکرر ذکر بنا کر

آگے چلے تو اسے یہ آزادی ہونی چاہئے۔ اسی حق کے مطابق اگر کسی

کا ذوق اس کے برعکس تو حیدر بھرو میں تسکین پانا ہے تو اسے اپنے ذوق

کے مطابق یہ حق ملنا چاہئے اس پر یہ قدرتی کیوں؟ کہ آپ کے سامنے

ہی میں ڈھلے یا ہمارے طریق ہی کو مفید سمجھے۔

”شباب لاہور سہ ماہی“

ہم نہیں گمان کرتے کہ ابطال و انکار کے معنی سمجھنے میں مولانا کو کوئی  
دشواری پیش آئی ہوگی۔ ابطال کے معنی حق کے مقابلے میں کسی باطل رخ  
کو باطل کہنا اور انکار کے معنی صحیح کے مقابلے میں کسی غلط پہلو کو غلط قرار  
دینا ہے۔

عجب ہے کہ کسی غلط مسئلے میں بحث و نظر کے اس بنیادی محرر سے  
مولانا کو انکار ہے۔ اگر کسی اختلافی مسئلے کے مثبت اور منفی دونوں ہی پہلو  
حق ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے اختلافی مسئلہ ہی کیوں کہا جائے گا  
میرا گمان ہے کہ سطح عقل رکھنے والے عوام بھی اس انداز فکر کا مذاق اڑاتے  
مولانا تو اشارہ گہری بصیرت کے مالک ہیں جو غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح سمجھیں  
نہیں کہ سکتا ہے اختلافی مسائل پر حکم اٹھانے کی ضرورت ہی کیا ہے تحقیق کر کے



بھی آخودہ خوب دانا خوب کا انجھار کن لفظوں میں کرے گا۔

واضح رہے کہ اس مقام پر ہماری گفتگو اس امر میں نہیں ہے کہ کسی مسئلے کے باطل و منکر رُخ کے ابطال و انکار کی حدود علی کیا ہیں۔ ہمارا اصرار تو صرف اس بات پر ہے کہ کسی بھی اختلافی مسئلے میں بحث کے ایک رُخ کی صحت تسلیم کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قائل کے نزدیک یقیناً دوسرا رُخ غلط ہے اور اگر دوسرا رُخ بھی وہ حق اور صحیح سمجھتا ہے تو لازماً اس کے معنی یہ ہونے کہ اس کے مقابل رُخ کی صحت ہی اس نے تسلیم نہیں کی ہے۔ یا تو وہاں وہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے یا پھر یہاں اپنے ضمیر کا خون کرتا ہے دونوں حالتوں میں سے ایک حالت ضرور اس کی ہے۔

بار دیگر ہم انجھار حیرت کے ساتھ مولانا کے اس انکار کو ایک کٹلی ہوئی حقیقت کے انکار سے تعبیر کرتے ہوئے سفارش کرتے ہیں کہ تو صورت اپنی رائے کی اس واضح ترین غلطی پر نظر ثانی فرمائیں۔

**انکشاف حقیقت** اب بحث کے اصل موقف سے دو چار نہیں بنے۔ اگر کہ مولانا کے اس جواب پر کہ اہل سنت کی روایات کے سلسلے میں منکرین کے اختلاف کی نوعیت بالکل فرضی قسم کی ہے، ہم انجھار خیالی کرنا چاہتے ہیں اسد ہے کہ وہ پوری فراخ دلی کے ساتھ ہماری معروضات پر غور فرمائیں گے۔

سب پہلے تو ہم نہایت افسوس کے ساتھ مولانا سے اس امر کا

شکوہ کریں گے کہ اگر اس مروجہ اور مزارات اولیاء سے استفادہ کے سلسلے میں انھوں نے ایک باخبر شخص کی طرح اختلافات کی نوعیت معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں فرمائی ہے۔

اردو زبان کی سب سے پہلی کتاب جن نے ہندوستان میں سُنی مسلمانوں کی ذہنی روایات کے خلاف جارحانہ ذہن کا خاکہ بنیاد رکھا، اس کا نام "تقویت الایمان" ہے۔ مولانا سے عرض کروں گا کہ کسی "بزرگ" کے نام کو مرکز فکر بنانے کے متعلق تقویت الایمان کی ذرا یہ ایمان سوز عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

جو کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور و نزدیک سے بکارا کرے اور بلا کے مقابلہ میں اس کی دوا دے دے اور دشمن پر اس کا نام بیکر ملے کرے اور اس کے نام کا ختم کرے یا شغل کرے۔ سو ان تمام باتوں سے شرک ہو جاتا ہے۔

(تقویت الایمان ص ۱۰)

واضح رہے کہ یہ ساری تفصیلات کسی کے نام کو مرکز فکر بنا کر آگے چلنے ہی کی ہیں جس کا ذکر خود مولانا نے اپنے سابقہ مضمون میں کیا ہے۔ اب مزارات پر حاضری، قلاب پوشی اور عرس کے مراسم مروجہ کے متعلق اسی تقویت الایمان کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔



ہر جو کوئی ... دیکھ نکالوں (یعنی ایمان داروں کی سچی تیرا چھوٹی قبر)  
 میں دیکھ وہ رہے نقد کر کے چادے یا وہاں روشن کرے، غلامت اولاد  
 چادر چڑھائے، ان کے نام کی چھڑی کھڑی کرے، رخصت ہونے وقت لے  
 پاؤں چے ان کی قبر کو دوسروں سے، مور پھل بھلے، اس پر شامیاد کھڑا  
 کرے، پچو کھٹ کو پاس دیکھنا، ہاتھ پانہ کر کے، مراد مانگے، جلاو  
 بن کر بیٹھ رہے وہاں کے گرد و پیش کے بھلے کا ادب کرے اور اسی قسم  
 کی باتیں کرے، تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے اور اس کو - اشرک  
 فی العبادۃ کہتے ہیں۔ پھر خواہیوں بگھے کہ یہ آپ ہی اس تعلیم کے لائق  
 ہیں یا ان بگھے کہ ان کی ایسی تعلیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اس  
 تعلیم کے لئے کتب سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے، ہر طرح شرک ثابت  
 ہوتا ہے۔

(تقویت الایمان ص ۱۰۰)

مولانا سے گزارش کروں گا کہ وہ اس عبارت کی ایک ایک سطریں جانیں  
 اور انصاف سے بتائیں کہ کیا اب بھی وہ اس اختلاف کو فروغی اختلاف کہیں  
 کیا شرک کے ارتکاب کے بعد بھی کسی شخص کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش  
 باقی رہ جاتی ہے۔ ظالم نے تو کسی تاویل کی راہ بھی کھلی ہوئی نہیں رکھی  
 ذاتی اور عطائی کا فرق بھی اٹھا دیا۔ اس کے نزدیک ہر حال میں عین  
 کہ نبی الے شرک! اور شرک پر جو راہی ہو وہ بھی شرک!

ہو سکتا ہے کہ مولانا نیازی یہاں یہ تاویل کریں کہ صاحب تقویت الایمان  
 نے شرک کا لفظ شرک جلی (یعنی اسلام سے خارج کر دینے والے شرک)  
 کے معنی میں نہیں استعمال کیا ہے بلکہ شرک سے ان کی مراد شرک غنی ہے اور  
 شرک غنی کے ارتکاب سے کوئی مسلمان سے خارج نہیں ہوتا۔

میں عرض کروں گا کہ مولانا کا یہ حسن نیتی اس وقت ضرور قابل غور  
 ہوتا جبکہ صاحب تقویت الایمان نے اپنی یہ مراد خود ہی واضح نہ کر دی ہوئی  
 کہ تقویت الایمان میں جہاں جہاں بھی شرک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہاں  
 وہاں شرک سے مراد شرک جلی ہے۔

والدہ کے لئے "ارواح ثلاثہ" مرتب کردہ علمائے دیوبند شائع کردہ کتب  
 اعداد الغر بار سہارن پور ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے صفحہ ۱۰ پر صاحب تقویت الایمان  
 مولوی اسماعیل دیوبند کے سوانح نگار یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب تقویت الایمان  
 لکھ کر تیار ہوئی تو مصنف نے اسے اپنے دوستوں کے سامنے پیش کرتے  
 ہوئے کہا۔

میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ نیز الفاظ بھی  
 آئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک غنی تھے  
 شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان دھوکے سے بھلے اندیشہ ہے کہ اس کی اتنی  
 بے شورش غور ہوئی ... کہ اس سے شورش ہوگا مگر واقعہ یہ کہ لایا کہ خود ٹھیک  
 ہو جائیگا۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۰۰)



اندیشے کے مطابق شورش ہوئی اور اتنی ہوئی کہ درہ خیر سے کہ  
ہر اس کے ساحل تک سارا کشور ہند آج تک اسی لگائی ہوئی شورش کی  
لگ میں سلگ رہا ہے۔

اندیشہ تو صحیح نکلا لیکن توقع اب تک پوری نہیں ہوئی۔ خدا ہی جانتا  
ہے کہ تقویت الایمان کے چلتے لوگ کب تک آپس میں لڑتے رہیں گے۔  
کیا اس دنیا میں جرم کے بعد بھی کوئی انصاف و دیانت کا خون کے  
پنیرے کہہ سکتا ہے کہ دیدہ و دانستہ تقویت الایمان کی اشاعت کا مقصد  
مسلمانوں کے درمیان خاندان جنگی اور مذہبی پرکار و جدال برپا کرنا نہیں تھا  
بلکہ اسلام کی شیرازہ بندی کے حق میں کشش نہ ہر آلود کتاب ثابت  
ہوئی یہ؟ کاش وہ شخص گھڑی نہ آئی ہوئی جب اہل ایمان کی روحانی  
آسائش کے خلاف شیطان کی یہ سازش کامیاب ہوئی تھی۔

شرک سے شرک جلی مراد ہونے کے متعلق خود مصنف کا یہ اقراری بیان  
بھی اگر مولا ناکے لئے تسلی بخش نہ ہو تو وہ تقویت الایمان ہی اٹھا کر دیکھ لیں  
خود کتاب ہی انھیں یقین دلادے گی کہ مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں شرک  
بنایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

پھر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے جوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے  
تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابلے

کہ طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا، منتیں مانگنی اور تہذیب  
بنانا کرنا اور اپنا دیکھنا و سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا۔  
سو جو کوئی کہتا ہے یہ معاملہ کرے گا کہ اس کو اللہ کا بندہ مخلوق ہی بلکہ  
ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔

”تقویت الایمان“ ص ۸

تھا ہر ہے کہ ابو جہل کے ساتھ شرک میں برابری تو بھی ہوگی جبکہ وہ بھی  
ابو جہل کی طرح شرک جلی کا شرک ہو اور ابو جہل کی طرح کافر و شرک قرار پائے۔  
ان شواہد و عبارات کی روشنی میں اب مولا ناکے انصاف و دیانت  
سے بتائیں کہ حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس کے  
فیوض و برکات، حضرت موصوت کے باطنی تصرفات اور عرس پاک سے  
متعلق انھوں نے ہزاروں کے شہاب میں اپنے جن تاثرات کا اظہار فرمایا  
تھا اگر وہ ان کے نزدیک روج اسلامی سے ہم آہنگ ہیں تو تقویت الایمان  
کے زیر اثر جو لوگ ان آموذ کو شرک جلی سمجھتے ہیں کیا مولا ناکے اس  
موقف سے بھی اتفاق فرمائیں گے۔؟

اور ایک وقت اپنے تاثرات کی مخالفت سمیت کی بھی توثیق فرما کر  
کیا مولا ناکے ان شواہد کی صفت میں رہنے کا جواز حاصل کر سکیں گے؟ اور پھر  
میں چیز کو ایک بار انھوں نے اسلام کی روج سے ہم آہنگ تسلیم کر لیا ہے  
کیا اب اس کے شرک جلی ہونیکا انکار مولا ناکے لئے ضروری نہ ہوگا۔؟  
عقل و انصاف کا تقاضا ہے کہ ہوگا، اسلامی دیانت بھی کہتی ہے کہ ہوگا،



ان استدلال کا بھی اصرار ہے کہ ہوگا، اب اس اسلام کے سوا دغلم کا بھی مطالعہ ہے  
کہ ہوگا لیکن ایک تنہا مولانا کی رائے ہے کہ نہیں ہوگا۔ اب اس غلم  
ہی فیصلہ کریں کہ دو کس کے ساتھ ہیں۔

**ایک جائز مطالعہ** | اب ان سارے باعث کی روشنی میں یا تو مولانا کو  
اپنے تاثرات سے رجوع فرمائیں یا پھر تقویت الایمان کے ساتھ اپنے ان تاثرات  
کا پیوند جوڑ کر دکھا دیں۔

ان دو راہوں میں سے ایک راہ انہیں بہر حال اختیار کرنا ہوگی۔  
مولانا کو اپنے وہ تاثرات یاد نہ ہوں تو پھر انہیں تازہ کر دینا چاہتا ہوں  
تاکہ واضح طور پر وہ اپنے تاثرات اور تقویت الایمان کی مذکورہ بالا عبارتوں  
کا تقابلی مطالعہ کر کے حق و باطل کے درمیان ایک نظر آنے والی لکیر دیکھ سکیں۔  
موصوف نے حضرت سلطان العارفين سرکار داتا گنج بخش رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس کے متعلق ان لفظوں میں اپنے تاثرات کا اظہار  
فرمایا تھا۔

مزار پر ازاد کو در اولوں کے عقیدت و احترام کے مرکز کی حیثیت سے جو دینی  
تکلیفیں ہم پر ہیں پکارتا اور میں اہل حق و سکون کے خواہنے کی تلبہ اس پر تلبہ  
کرنا عقیدہ کا تو تون سے اختلاف کرنا ہے۔

(شہاب لاچورہ ج ۱ ص ۱۰۱)

کچھ دور آگے چل کر یہ بھی اشارہ فرمایا تھا۔

احد اہمیت در مسائل کی نشین کر خواہ نام سے بڑے مشائخ حضرت  
مکرم علی کے مزار پر چڑھ کر رہے اور اسی دربار فضیلت سے اجازت اور اوقات  
عمل حاصل کرتے تھے۔

(شہاب لاچورہ ج ۱ ص ۱۰۱)

اب آئیے دیکھیں کہ تقویت الایمان کی مذکورہ بالا عبارتوں پر بھی مولانا  
موصوف ایک اچھٹی ہوئی نظر ڈالیں۔ وہی تقویت الایمان جس کی گستاخ  
اور اسلام شکن عبارتوں کو دیوبند کی حضرات اپنے سینے سے لگائے کرتے  
ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی مزار کی طرف روحانی تسکین بہم پہنچانے اور قلبی  
اطمینان و سکون کا خزانہ بنانے کی نسبت جی تقویت الایمانی شریعت میں  
شک جہلی سے کم نہیں ہے اور عقیدہ کی قوتوں کا انکار دیکھنے کے لئے تو کسی  
ایک کھینچنے کا مطالعہ ہی بہت کافی ہے۔

تقویت الایمانی تعزیرات کی روش سے مزار پر چڑھ کر اور صاحب مزار  
سے اجازت و اذن عمل طلب کرنے کے بعد تو سرے کوئی سکھان ہی نہیں  
رہ جاتا۔ ایسے لوگوں کو وحدانیت و رسالت کے مبلغین اور بے شک  
مشائخ اسلام سے تعبیر کرنا مذہب و عقل کا کھلا ہوا تضاد نہیں آ اور کہہ دیجئے  
اب اس تضاد کو مولانا نیاز ہی کس طرح دور کریں گے؟ یہ ان کا عقل  
ہی بتا سکا۔



**ایک غلط استدلال** | اب اپنے موقف کی حمایت میں مولانا کی ایک حیرت انگیز دلیل اور ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

خود شاخ نظام اسی سنگ کے پائندہ ہے۔ چنانچہ اکثر شاخ بھی گئی بسوں میں بہت تھیں۔ ان میں کسی کو ترجیح ضرور دیتے تھے لیکن اس ترجیح کی بنیاد پر دوستوں کا ابطال و انکار انھوں نے کبھی وجہ نہیں سمجھا۔ ایسا نہیں ہوا کہ قادری مسلک کے کسی شیخ نے نقشبندی مسلک کے کسی بزرگ کے ابطال پر کمر باندھ لیا۔

(شہاب لاہور مہر جون)

یا علیجب! مولانا کے قلم نے اگر سو نہیں کیا ہے تو عرض کروں گا کہ ایک بار وہ خود اپنی اس تحریر پر نظر ثانی فرمائیں بھگے یقین ہے کہ خود انھیں بھی اپنے قیاس مع الفارق پر انوس میں ہوگا۔

در اصل یا علیجب! یہاں ان مسائل کے متعلق جو صحت و غلطی حرجت اور اسلام و شرک کی دو مختلف جہتوں میں سے کسی ایک جہت پر تکیا ہے لازماً ایسے مسائل میں کسی ایک جہت کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد دوسری جہت کے ابطال و انکار کا سوال پیدا ہو سکتا ہے لیکن جہاں اس طرح کا اختلاف ہی نہیں ہے وہاں کسی ایک رخ کے ابطال و انکار کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

حجرت و ارشاد کے مختلف سلاسل کے درمیان صحت و غلطی صحت و حرجت اور اسلام و شرک کا سرسے سے کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ یہ سارے سلاسل

مستند ہونے کے باوجود اپنی اپنی جگہ پر بلا اختلاف ہر ایک کے تئیں محمود و مستحسن ہیں۔ خود مولانا نے بھی ان میں سے کسی ایک کی ترجیح کا ذکر کر کے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ حسن و صحت کے اعتبار سے یہ سب آپس میں مساوی ہیں لہذا ان متفقہ سلاسل پر مختلف تہ مسائل کا قیاس جتنا مفید ہے خیر ہے وہ نتائج بیان نہیں ہے۔

تجربہ ہے کہ اتنی سطحی بات مولانا کے قلم سے کیونکر صفا و قرطاس پر صادر ہوئی۔ اپنے ایک غلط موقف کی حمایت میں بلو و انھوں نے شاخ طریقت کا وہ امن بھی آلودہ کیا جب کہ ان مقدس ہستیوں کی زندگی ہمیشہ اعتقاد و عمل کے تضاد سے محفوظ رہی ہے۔

ویسے مولانا کو ہم بخور نہیں کرتے کہ وہ اعتقاد و عمل کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ہمارا ہی موقف اختیار کر لیں لیکن اتنی بات عرض کر فکری اجازت ضرور چاہیں گے کہ گروہ کی معقولیت ان کے موقف کے ساتھ قطعاً نہیں ہے۔

بحث کے آخری مرحلے میں اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ابطال و انکار سے ہماری مراد بالکل یہ نہیں ہے کہ حزب مخالف کے لئے اگر وہ کی ضرورت پیدا کی جائے یا نجد کے دہلی بھول کی طرح ہلاکت خیز تشدد کا راستہ اختیار کیا جائے۔ لیکن قولا، عملا اور اعتقاداً کسی امر ناحق کو ماننے سمجھنے اور ظاہر کرنے میں آخر کیا قیامت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔



اگر جماعت اسلامی اور انجمن المسلمین کی خدمت اور پروردگار سے  
شہادت کا تالاب گندہ نہیں ہوتا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ دوسری باطل  
جماعتوں کی نقاب کشائی سے وہ گندہ تالاب بن جائیگا

قہر الہی کا تاثر یافتہ ایک سال کا عرصہ ہوا علمائے اہل سنت کو بے  
شعور کرنے اور مفلک گایاں دینے کے لئے کانپور سے دیوبندی فریقے کا  
ایک پندرہ روزہ اخبار بنام پیام مکت جاری ہوا ہے۔ سامنے چند  
پھکرے بارہ علم و تہذیب کے حامی اور گندہ ناسخ و تراش رنگ و روٹ ہیں جنہیں  
سمجھ لگانا بھی اہل علم اپنی توہین سمجھتے ہیں لیکن پس پردہ ساری دیوبندی  
برادری ان بازواریوں کی پشت پر ہے۔

چونکہ ظاہری طور پر ان کی تمام تر سرگرمیوں اور فتنے پر دانیوں  
کا مرکز ان کی مذہبی درس گاہ جامع العلوم کانپور ہے اس لئے دیکھ کر  
کہ دیوبندی فریقے کا ایک ذمہ دار ادارہ ان کی پشت پناہی میں ہے  
انہیں قابل انتقادات سمجھ لیا گیا۔ اور اختلافی مسائل پر ایک فیصلہ کن مباحثے  
کے لئے ۱۵ جولائی ۱۹۶۷ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔

لیکن اب یہ دیکھ کر تعجب نہ کیجئے کہ تاریخ مقررہ پر جب راقم الحروف  
راشد القادری (مولانا مشتاق احمد نظامی، مولانا مفتی شریف الحق امجدی  
مولانا غلام مصطفی وارثی، مولانا عبد الباقی کانپوری، مولانا شاہد رحمتا  
خان شمس آبادی، مولانا قاری احمد حسن منجلی آکھنچک) کو جامع العلوم میں

پہنچے تو یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی مگر اس نا فائدہ آورہ کے سالار ہی مار  
دہشت کے کانپور سے کیس فراہم ہو گئے ہیں۔

چار ونا چار دل کا حوصلہ دل میں ہی لئے ہوئے بادل نا خواستہ  
ہم لوگ کافی انتظار کے بعد وہاں سے اپنی سنت کی مرکزی درس گاہ  
حسن المدارس ٹرٹ بسے۔ آٹا فانا آتش مہر کی طرح کانپور کے طول و  
عرض میں یہ خبر پھیل گئی ہر شخص ان کے شرمناک فراڈ اعلیٰ بزدلی اور مذہبی  
ذلت پسندی پر انہیں ملامت کر رہا تھا۔

لعنة اللہ علی الکاذبین لیکن حیرت ہوئی ہے اس شگنی بے حیائی  
اور مشرافت سوز بے عزتی پر کہ دریائے گنگا میں ڈوب مرنے کے بجائے  
پھر چند ہی دن کے بعد یہ بھاگے ہوئے دوسیاہ کانپور واپس لوٹ گئے۔  
اور کھلی ہوئی آبروریزی کے بعد بھی برادری دانوں نے انہیں پھر اپنے پھانسی  
رکھ لیا۔ ابھی عبرتناک ذلتوں کا وہ کاری زخم بھی شاید بھرا نہ ہوگا کہ  
ان دشنام طرازیوں نے پھر اپنی شرارتوں اور فتنے پر دازیوں کا موروثی پیشہ  
شروع کر دیا ہے۔

چنانچہ اس بار اکتوبر ۱۹۶۷ء کے تازہ شمارہ میں قائلوں نے اعلیٰ حضرت امام  
اہل سنت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر یہ بستان تراشا  
ہے کہ انہوں نے اپنے رسالہ "غلام الاعلام بان الحند دار الاسلام میں گریز  
کو خلیفۃ اللہ فی الارض لکھا ہے۔ انبار کا متن یہ ہے۔



ان فرقاں میں خلافت کے احکام اسلام بان اللہ دار الاسلام میں رکھا ہے کہ اگر یہ خلیفہ اللہ فی الارض ہے یعنی جس طرح اسلامی دور حکومت میں خلیفہ وقت کو اللہ کا خلیفہ اور نائب زمین پر تصور کیا جاتا تھا اسی طرح اگر برقی اس زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور اگر یہ دونوں کی حکومت سنا حکومت ہے۔

(پیام ملت کا پیون)

اہل سنت و جماعت کو فرقہ رسد خلافت سے تعبیر کرنا سمجھ ان گالیوں کے ایک گالی ہے جو انھیں اپنے بڑوں سے دراشت میں ملی ہے ویسے گفتگو کے بھٹیاریوں سے ڈھلے ہونے الفاظ کا شکوہ ہی ہے سود ہے کہ یہ ان کی مادری زبان ہے۔

اس صریح جھوٹ ناپاک افتراء اور بے بنیاد الزام کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ کانپور سے لے کر سہارن پور تک پوری برادری میں کوئی بھی زبان و قلم کا دھنی اور بات کا پکا پورا علامہ اسلام میں دکھلا دے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اگر یہ کہ خلیفہ اللہ فی الارض لکھا ہے اور ان کی حکومت کو مہذا اللہ اسلامی حکومت سے تعبیر کیا ہے ۱۵۱

دکھلانے والے کے لئے سیری طرست سے پہلے ایک لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا بھی اعلان کرتا ہوں کہ جمشید پور تک اس کی آمد و رفت کا کرایہ بھی میرے ذمہ ہوگا اور اگر نہیں دکھلا سکتے اور

جیلج کرتا ہوں کہ قیامت تک نہیں دکھلا سکیں گے تو ایڈیٹر اور مراصلہ نگار بقلم خود کو وارننگ دیتا ہوں کہ وہ اخبار کی پہلی اشاعت میں غیر مشروط سوانی نامہ شائع کر کے "فن صحافت" اور "فن ہرزہ سرانی" کا منقہ واضح کریں۔

دار الاسلام کی بحث | کفار و مشرکین کا وہ ملک جہاں اسلام کا ایک حکم بھی جاری نہ ہوئے دیا جائے اسے دار الحرب کہا جاتا ہے۔ پھر وہ ملک اگر مسلمانوں کے قبضے میں آجائے اور وہاں اسلام کے بعض احکام بھی جاری ہو جائیں تو وہ دار الاسلام بن جاتا ہے۔

ہندوستان کی صورت حال یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے آٹے سے قبل ہندو را جاؤں کے زمانے میں یہ قطعاً دار الحرب تھا لیکن مسلمان بادشاہ عیسائی ملک پر قابض ہوئے اور انھوں نے یہاں اسلامی احکام جاری کئے تو یہ دار الاسلام بن گیا اور اس وقت سے اب تک یہ دار الاسلام ہی ہے کہ یہاں اسلام کے بعض احکام جیسے اذان، نماز، عیدین، جنازہ، نکاح، طلاق، عقیقہ، قربانی، عقد وغیرہ آزادی کے ساتھ رائج ہیں ایسی طور پر بھی مسلمانوں کے مذہبی حقوق اس ملک میں محفوظ ہیں بالفاظ دیگر ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ یہ صرف کافروں کا ملک ہے اس ملک پر مسلمانوں کا نہ کوئی پیدائشی حق ہے نہ آئینی و سیاسی۔

اتنی تمہید سمجھ لینے کے بعد اب اصل بحث کی طرف آئیے مذکور بالا دو بات کی بنیاد پر امام اہل سنت فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ میں ہندوستان کو دار الحرب



قرار دیا ہے اور اپنے موقف کی تائید میں فقہ حنفی کے اتنے دلائل جمع کر دئے ہیں کہ کسی بھی حنفی مسلمان کو مجال انکار نہیں ہے۔  
پھر یہ بھی سن لیا جائے کہ ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تنہا نہیں ہیں بلکہ ہندوستان کے اکثر علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی قرطبی جلی کھنوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا ہے۔

حوالہ کے لئے ان کے مجموعہ الفتاویٰ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے

سوال۔ سو گزٹن از ہندو جائز است یا نہ؟	سوال۔ ہندو سے سود بیع جائز ہے یا نہیں؟
جواب۔ ہاں، ہر ایک در دارالاسلام سود و بیع و دیگر فن حرام است۔	جواب۔ نہیں، اس لئے کہ دارالاسلام میں سود کا لین دین حرام ہے۔

(فتاویٰ الفتاویٰ جلد سوم)

ظاہر ہے کہ ہندوستان ان کے علم و تحقیق میں دارالاسلام ہے کیونکہ دارالاسلام نہ ہوتا تو کبھی بھی اسے دارالاسلام قرار دے کر ہندو سے سود کے عدم جواز کا فتویٰ نہ دیتے۔

خود اپنی گواہی | ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کے متعلق خود فرقہ دیوبند و دہلیہ کے عظیم پیشوا مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اس امر کی صراحت کی ہے کہ اکثر علماء اسلام ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتے ہیں۔ حوالہ

کے لئے موجود کثیر فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

سوال۔ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام یا نہ؟ اس کا نام فرمائیں۔  
جواب۔ دارالحرب ہے تاہم ہندوستان کا تقابلی علمائے کمال میں ہے، اکثر دارالاسلام کہتے ہیں۔ اور مجلس دارالحرب ہندو اس میں فیصلہ نہیں کرتا۔  
(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

اسی مسئلے پر دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

ہندو کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کرام ہے۔ بقا پر تحقیق حال ہندو کو خوب نہیں ہوئی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب سے فرمایا ہے۔  
(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

اب علمی تحقیق و دیانت کے افلاس کا ایک تماشا ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں تو شیخ گنگوہی لکھ گئے مگر "ہندو اس میں فیصلہ نہیں کرتا" اور "تحقیق حال ہندو کو خوب نہیں ہوئی" لیکن علم و تحقیق سے اسی تعین دست "ہندو" نے قیصری جگہ ہندوستان کے متعلق دارالاسلام ہو دیکھا فیصلہ بھی صادر فرمادیا ہے۔  
ملاحظہ ہو۔

سوال۔ ان بلاد میں تعداد کی کو اپنے روپیہ دیدینا اور اس پر سود لینا جائز یا نہیں؟  
جواب۔ کفار سے بھی سود لینا درست نہیں فقط۔  
(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)



جب گنگوہی صاحب ہندوستان میں کافروں کے ساتھ سود کے لین دین کو ناجائز قرار دے رہے ہیں تو لامحالہ ان کے نزدیک بھی ہندوستان دارالحرب نہیں بلکہ دارالاسلام ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ ساری بحث اسی ہندوستان کے متعلق ہے جب یہاں انگریزوں کی حکومت تھی۔ اسی ہندوستان کو اکثر علماء کے ساتھ مولانا عبدالحی صاحب فرنگی نعلی اور مولانا رشید احمد گنگوہی دارالاسلام قرار دے رہے ہیں۔ اب کاشمیر کے دیوبندی علماء کہتے ہیں کہ ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینا اگر ان کے نزدیک ملت سے فدا کر دیا جائے تو ہندوستان کے اکثر علماء کے ساتھ خدان کے گنگوہی جی بھی بغاوت ہوئے یا نہیں؟

ایک آخری تاثر یہ ہے | ایک سال ہوا ہوتا ہے پرورش کے منظرہ میں بھی مبلغ دارالعلوم دیوبند مولوی ارشاد احمد نے بھی امام اہل سنت فاضل بریلوی پر یہ الزام ایسے لب و لہجہ میں عائد کیا تھا جیسے انھوں نے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دے کر معاذ اللہ اسلام کی دوا اور دوا دی ہے۔ لیکن جب انہی ہی حالت کا نقاب الٹ دیا گیا تو کھلا کے رہ گئے کچھ یقین ہے کہ آج تک اس چوٹ کی خنش ان کے دل میں موجود ہوگی۔ تعجب ہے ان حضرات کی شرمناک جسارت پر کہ نہ گھر کی خبر نہ باہر کی نہ کتابوں سے نشانہ نہ ہندو ہی معلومات سے کوئی سروکار! اندھیرے میں بیٹھ کر تیر چلاتے ہیں یہ بھی

نہیں دیکھتے کہ نشانہ پر کون سے؟

اسی الزام کا جواب دیتے ہوئے جب میں نے بولیا کہ مہاشے میں ان سے اور ان کے سامنے اعلان و انصراف سے یہ سوال کیا کہ ہندوستان کی جنگ آزادی کو تو آپ حضرات یا محل "جنگ ہندوستان" سمجھتے ہیں اس لئے برطانوی دور حکومت کا ہندوستان آپ حضرات کے نزدیک دارالحرب تھا لیکن اب بتائیے کہ کاشمیر سی دور حکومت کا ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

جواب دیتے وقت یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ نظام حکومت اب بھی وہی غیر اسلامی ہے۔ صرف نظام چلانے والے ہاتھ بدل گئے ہیں تو یقین جانئے کہ ان کے چہروں پر ہوا کیاں اڑنے لگیں۔ دارالاسلام کہ نہیں سکتے تھے کہ مسلمانوں سے شرم آ رہی تھی کہ سب کے سامنے منہ سے حق کا ہوا کیسے پائیں۔ اور دارالحرب کہتے ہوئے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی صاحب کا فطرہ تھا جو سامنے بیٹھے ہوئے تھے اسی کشمکش میں وہ کوئی جواب نہیں دے سکے اور ہمارا سوال آج تک ان حضرات کے ذمہ قرعہ نہ رہ گیا۔

آج بھی بیانگ دہلی کہہ رہا ہوں کہ کسی میں بھی دم خم ہو تو ہمارے سوال کا جواب شام کر کے اپنی پوری برادری کے سر سے قرعہ اتار دے۔

(جام نور، مکتبہ بابت، نمبر ۲۶)

کلمہ و طیبہ کے خلاف ایک شرافت | علامہ دیوبند نے ایک صدی کے اندر اپنے فریق کے لوگوں کا جو ایک ذہن بنا دیا ہے کہ جو چیز بھی اپنی موجود



بیست کے ساتھ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانے میں موجود نہ ہو وہ بدعت ہے ناجائز اور حرام ہے اور ہی ذہن اب اس مسئلہ کے لئے خطاب بتا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس گمراہ کن ذہنیت کے نتیجے میں جو لوگ اب تک میلاد و قیام اور عمر میں وفا کے خلاف برسرِ پیکار تھے، اب انھوں نے کلمہ طیب کے خلاف ایک نیا محاذ کھولا ہے جہاں سے اعلانیہ وہ کلمہ طیب کا انکار کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کی عبرت ناک تفصیل یہ ہے کہ قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کلمہ طیب کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس میں انھوں نے نہایت حسرت کے ساتھ اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ کلمہ طیب کے خلاف ایک نیا لٹرائٹ اٹھا رہے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد بن عبد اللہ موجودہ ہیئت و ترکیب کے ساتھ کلمہ واحد کی صورت میں حضور کے زمانے میں موجود نہیں تھا اس لئے یہ بدعت ہے۔ قاری طیب صاحب نے اپنے کتابچے میں ان کی دلیل کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

ولا یرایں ہدایت ترکیب کے ساتھ قرآن و حدیث میں کہیں موجود نہیں ہے۔  
حق کو کس سی بی کے قول سے بھی ثابت نہیں ہے۔  
”کلمہ طیب“

اس کے ساتھ ایک دلچسپ غریب بھی ہے کہ رائج الوقت کلمہ طیب کا انکار انھوں نے

کبھی ہذاوت کے جذبے میں نہیں کیا ہے بلکہ اس کے پیچھے قطعاً دینی مصلحت اور امت کی خیر خواہی کے جذبے کی نشانیں کی گئی ہے چنانچہ قاری طیب صاحب اپنے کتابچے میں ان کے انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”کلمہ طیب“ میں امت کو کتاب و سنت کے معیار سے گنتے نہ دیا جائے اور جو چیز امت میں کتاب و سنت کے خلاف نہ دیکھا جائے اس کا ہم ملنا انکار کر کے امت کو پھر سے کتاب و سنت کی طرف سے گریہ دیا ہے۔  
”کلمہ طیب“

غضب کی بات یہ ہو گئی ہے کہ ظالموں نے یہ سوال خود قاری طیب صاحب سے کیا ہے۔ حالانکہ بدعت کے سوال پر دونوں فریق کے سوچنے کا انداز بالکل ایک ہے۔ قاری طیب صاحب کا جواب اس لحاظ سے ہوا ہے دلچسپ اور عبرت آموز ہے کہ جگہ جگہ انھیں اپنی جماعت کا ذہنی ساپچہ توڑنے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

کتنے ہی بار انھوں نے اپنے جماعتی موقف سے انحراف کیا ہے اور نہایت بیدردی کے ساتھ اپنے بزرگوں کے مسلک کا خون کیا ہے تب جا کر وہ ایک سوال کا جواب دے پائے ہیں۔ پوری کتاب میں ان کی عبرتناک حیرانی اور اہل سنت کے طریقہ استدلال کی طرف بار بار پلٹنے کا تماشا قابلِ دید ہے۔

موصوف کے اس کتابچے کے چند اقتباسات صرف اس لئے ذیل میں



نقل ہوئے جا رہے ہیں تاکہ واضح طور پر وہ زندگی حضرات بھی یہ محسوس کر لیں کہ جو کتب فکر و تحقیق کی زندگی ہیں وہ قلم و کلام سے بے جا جان لاش کی طرح اٹھائے پھرنے سے کیا فائدہ ؟

شکرین کلمہ نے اپنے استدلال میں کہا ہے کہ حقیقت شہادت (یعنی) اَشْهَدُ  
اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ اور شہادت میں جہاں بھی یہ کلمہ آیا ہے وہاں صرف لا اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ  
مذکور ہوا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ کو نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں کلموں  
کو ایک ساتھ ملا کر پڑھنا اور کلمہ واحد بنالینا بدعت اور ناجائز ہے۔  
قاضی طیب صاحب نے ان کے استدلال کا جو جواب دیا ہے وہ دیوبند  
نسل کے لئے بڑا ہی عبرت انگیز ہے۔ فرماتے ہیں !

انگریزی زبان میں یہ جملہ ثنائیہ (یعنی مجموعہ سہ) (۱) مذکور نہیں ہیں اس کی نفی  
اور وضاحت بھی تو مذکور نہیں جس سے (۲) (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳

١١٢

مگر میں نے اس مطالبے پر کہ راجہ شکر علی کے جواز کے لئے رخصت کر دیا گیا  
دکھائیے قائد کی صاحب کی حیرانی کا عالم قابل دید ہے۔ اپنی ہی نشانے لگئے  
سوال کا جب کوئی جواب نہیں پڑ سکا ہے تو جھنجھلاہٹ میں یہاں تک  
لکھ گئے ہیں۔

اسی کے علاوہ لکھنؤ، اُردو اور انگریزی میں بہت سے دیگر مفید تصانیف چھاپ کر  
ملت مستقلہ ہی نہیں ہے۔ اسی لئے وقت کے سلیٹے میں مستقل طور پر شہاب کا اسکا  
سپا جانا ضروری فن دستہ مال کی تبلیغ گزرا ہے۔

112

چھٹے چھٹی ہوئی۔ سچ تو شاخ ہی ذرا ہی جس پہ آشیانہ جو۔  
 داسے دے یاد ہن و فکر کی گرا ہی ارا ایک سوال سے بیجا پھڑاسے  
 کے لئے چند در چند سوالات اپنے اوپر لا دینا پڑا۔  
 عرض کرتا ہوں، "تجربہ مستقلہ نہ سہی، تجت تو ہے۔" آخر اجماع بھی  
 تو صحابہ کے عمل ہی سے وجود میں آتا ہے پھر اس کا مطالبہ شرعی فن استدلال  
 کو چیلنج کرتا کیوں ہے؟ جواب دیجئے! اور یہ بھی ارشاد فرمائیے کہ میلاد و  
 قیام اور عرس و تاحیح کے جواز کے سلسلے میں فعل صحابہ کا مطالبہ کر کے ایک حدیث  
 سے جو شرعی فن استدلال کو آپ حضرات چیلنج کر رہے ہیں تو اس کا خون کس کی  
 گردن پر ہے؟

اور سب کے لئے یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ جماعت اسلامی والے بھی قبل  
صحاب کو محبت نہیں مانتے اور آپ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ تو دونوں میں جو  
فرق کیا ہے۔ ایک ہی بات کا انکار کر کے وہ گمراہ قرار دے دئے گئے  
اور مستہدایت پر آپ حضرات کی اجازت دے دی اور ایک قاتل ہے۔  
ایسا کیوں ہے۔



اور زحمت نہ ہو تو اس سوال کا جواب بھی مرحمت فرمایا جائے کہ جو اژدہا اور  
آپ کے کتاب و سنت اور اجماع پر رکھا ہے اور فعل صحابی کو نسبت غیر مستقلہ  
قرآن و بخیر دلائل شرعیہ کے زمرے سے اسے نکال دیا ہے، ایسی صورت میں  
یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات کے نزدیک اجماع "بحث  
مستقلہ" ہے۔

نیز شیخ و حیران کا سلسلہ اتنے ہی پر فتم نہیں ہو جاتا جس کے چل کر ہتھیار  
زال اپنے والی بات شروع ہو گئی ہے۔ اپنے مذہب فکر کی شکست کا ایک  
کھلا ہوا اعتراف ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

نیز یہ بھی غلطی ہے کہ استدلال کی یہ شکل صحاح میں بھی مقبول نہیں ہو سکتی کہ  
یا ذلک علیہ کما استحال کسی ایک صحابی سے کیا کھلا جائے اور اس کے استحال  
کو ممنوع سمجھا جائیگا۔

مشوٰل صورت استدلال کی اگرچہ ممکن ہے تو وہ اثبات ہی کی ہو سکتی ہے  
جس میں بغیر کلام سے بلکہ دلیل عقلی پر کیا جائیگا کہ یا تو کلمہ طیبہ کی اہمیت  
نفس ایک ہی صحابی کے قول و فعل سے دکھلا دی جائے ورنہ اسے جائز سمجھا  
جائے گا۔

”ذلک علیہ کما استحال“

حدیث آئیکھ بھی گھلی تو اس وقت جبکہ اہل اسلام کی مذہبی اور روحانی  
اس امر کا فرض میں چلی گئی۔ یہی انداز فکر اب سے پہلے اپنایا گیا ہوتا تو میلاد و

قیام اور عرس و وفا تحفے کے سامنے ہمارے اور آپ کے درمیان ایک نہ ختم  
ہونے والا پیکار شروع ہی کیوں ہوئی۔

ہم بھی تو یہی کہتے تھے کہ یا تو میلاد و قیام اور عرس و وفا تحفے کی ممانعت  
کسی ایک ہی صحابی کے قول سے دکھلا دی جائے ورنہ ان سارے امور  
کو جائز سمجھا جائے گا اور ہمارا بھی تو بار بار آپ حضرات سے یہی کہنا تھا  
کہ میلاد و قیام اور عرس و وفا تحفے کے عدم جواز کے لئے استدلال کی یہ شکل  
کسی حالت میں بھی مقبول نہیں ہو سکتی کہ یا تو ان تمام امور پر کسی ایک ہی  
صحابی کا کلام یا قول و فعل سے دکھلا دیا جائے ورنہ انھیں ممنوع سمجھا جائیگا۔

اب ماضی و حال کے آئینے میں اپنی جماعت کا کردار سامنے رکھ کر خود  
اپنی فیصلہ کر دیجئے کہ اُمت کے اندر مذہبی انتشار پھیلانے کا الزام کس کے  
سر ہے یا دلت نہیں گیا ہے اب بھی اس الزام سے جھکدوش ہونے کی کوئی  
داد ملائی کیجئے۔

بات اتنے ہی پر نہیں ختم ہوئی۔ آگے چل کر تو قاری طیب صاحب  
نے وہ بنیاد ہی کھود ڈالی ہے جس پر دیوبندی مذہب کا ایوان کھڑا  
ہے۔ جس بے رحمی کے ساتھ انھوں نے اپنی جماعت کے انداز فکر کا شکل  
عام کیا ہے اس کے خون کی مریخیوں بہت دلوں تک وارا جلوہ دیدار بند  
کی دیواروں پر ثبت ہو گئی۔

مشرکین کلمہ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔



ہوتے مباحات اصل میں صحابہ کرام کے زمانے میں زیر عمل نہیں گئے مگر  
اہانت اصل کے تحت جائز ہیں یا بہت سے اجتہادی مسائل میں زمانہ صحابہ  
میں زیر عمل تو کیا زیر علم بھی نہیں آئے مگر بعد میں کسی اصول شرعی سے  
مستند ہوئے تو وہ اس لئے ناجائز نہیں کہ ان کے بارے میں صحابہ کا عمل  
منقول نہیں ہے۔

پس ایسے جائز مسائل پر جب بھی آیت عمل پر راہ لگائے اس کا  
حق ہے اور وہ عمل شرعی ہو کر ہی ادا ہوگا۔

(مکملہ طبع ص ۱۱۱)

حالات کی ستم ظریفی بھی کتنی عجیب و غریب ہوتی ہے کل تک میلاد و قیام  
اور عرس و فاتحہ کے جو اذ پر یہی دلائل جب ہم پیش کرتے تھے تو اس پوری بھائی  
میں ہماری گفتگو کا کوئی شناسا ہی نہیں تھا لیکن آج اپنا معاملہ آن پڑا ہے تو  
جواب سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمارا ہی طرز استدلال مستعار لینا پڑا ہے۔  
چلے! ہماری بات نہ سنی، اپنی ہی بات سمجھ کر اب تو راہ راست پر آجائے  
اور میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کی مخالفت سے توبہ کر لیجے۔ اور اب تو صرف  
اس لئے ان امور کو ناجائز نہ کہتے کہ ان کے بارے میں صحابہ کا عمل منقول نہیں ہے۔

**ایک ذہنی زلزلہ** | توحید پرستی کے غرور باطل میں سنی مسلمانوں کو بیدار  
مشرک، بدعتی اور جبر بدست کہنے والوں کی ایک عبرت انگیز کہانی سنئے۔

دو بندی فرقے کے پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار اپنی کتاب  
اشرف السوانح میں تھانوی صاحب کے پردادا محمد فرید صاحب کا حال بیان  
کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

کسی بار ات میں تشریف نے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے اگر بار ات پر حمل  
کیا ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے۔ انھوں نے ان ڈاکوؤں پر دلیرانہ  
تیر بردھانا شروع کئے۔ چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر سے  
بے سرو سامانی تھی یہ مقابلے میں شہید ہو گئے۔

شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر میں زندہ  
کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مسخانی لاکر دی اور فرمایا کہ اگر تم  
کسی سے ظاہر نہ کر دو گی تو اسی طرح دہن کیا کریں گے لیکن ان کے گھر کے  
لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب انھوں کو مسخانی کھاتے دیکھیں گے تو  
علوم نہیں کیا شب کریں اس لئے ظاہر کر دیا اور آپ تشریف نہیں لائے  
یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔

(اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۱۱)

اللہ اکبر! ہم انبیاء و مرسلین، شہدائے مقربین اور اولیاء اللہ کی  
ادوار طیبات کے بارے میں اگر یہ عقیدہ رکھ لیں کہ خدا کے پاک نے  
انھیں زندوں کی طرح حیات اور تقرب کی قدرت بخشی ہے تو بدعت و  
شرک، قبر بدستی اور جاہلیت پرستی کے طعنوں سے ہمارا سینہ چھلنی کر دیا جائے



اور تھانوی صاحب کے "جد مقتول" کی بابت اس عقیدے کی اشاعت پر کہ وہ  
زندوں کی طرح گھریٹ کر آئے، اپنی بیوہ عورت سے دو بدو باتیں کیں، منھا  
پیش کی اور اسی شان سے عرصے تک آتے رہے اور جب ان کی بیوی نے ان کے  
آنے کا راز فاش کر دیا تو آنا بند کر دیا، کوئی بھی گریبان نہیں تھا  
کوئی اس عقیدے کو شرک نہیں سمجھتا، کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ عالم برزخ میں  
میں منھائی کی دکان کب سے کھلی ہے، کوئی یہ سوال نہیں اٹھاتا کہ علم غیب تو صرف  
اللہ کو ہے، قبر میں انھیں کیونکر معلوم ہو گیا کہ بیوی نے ان کے آنے کا راز  
فاش کر دیا ہے؟

ہے کوئی انبیاء و دیانت کا حامی جو دیوبندی مولویوں سے جا کر لوجھے  
کر جو عقیدہ رسول و نبی، عیسیٰ و خواجه اور شہید و مجدد و م کی بابت شرک  
ہے وہی تھانوی صاحب کی بابت کیونکر ایمان بن گیا ہے؟  
آنکھوں میں دھول چھڑک کر تو کرب تک تو یہ بدعتی کا یہ ڈھنگ عجیب ہے گا۔

ایک اور دھماکہ خیز واقعہ قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند  
بیان کرتے ہیں کہ ایک بار دارالعلوم کے مدرسین کے درمیان بہت بڑا  
ہنگامہ ہوا۔ مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس ہنگامے میں ایک فریق کے  
ساتھ ہو گئے۔ جھگڑا طویل پکڑ گیا اور حالات نہایت غلیظ ہو گئے اس کے کی  
کی سرگزشت قاری طیب ہی کے الفاظ میں سنئے۔

اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب  
نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا اور دارالعلوم میں تھا، مولانا  
حاضر ہوئے اور جند جگرہ کو اڑکھول کر اندر داخل ہوئے۔ موسم سخت گرمی  
کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے میرا دینی  
کار بہ آبادہ دیکھو: مولانا نے آبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔  
فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جسد  
عنصری (یعنی جسم ظاہری) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس  
سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا آبادہ تر بہ تر ہو گیا اور فرمایا کہ  
محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے، جس میں نے یہ کھنکھ  
لئے بلایا ہے۔ مولانا نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر تو یہ کرتا  
ہوں کہ اس کے بعد میں اس قہقہے میں کچھ نہ بولوں گا۔

(دارالعلوم لاہور ص ۲۳۲)

اب نیا تماشہ اور ملاحظہ فرمائیے! قاری صاحب کی اس روایت پر تھانوی  
صاحب نے اپنا خاشیہ چڑھایا اور اس واقعہ کی توثیق کرتے ہوئے یہ تاویل فرمائی۔

یہ واقعہ درج کا تمثیل تھا اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ  
جسد مثالی تھا مگر شاہ جسد عنصری کے۔ دوسری صورت یہ کہ تھانوی نے  
خود عناصر میں تقریر کر کے جسد عنصری تیار کر لیا ہو۔ (دارالعلوم لاہور ص ۲۳۲)



لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ! دیکھ رہے ہیں آپ؟ اس ایک واقعہ کے ساتھ کتنے شرک  
عقیدے لپٹے ہوئے ہیں۔

مولانا قاسم نانوتوی کو اگر علم غیب نہیں تھا تو عالم برزخ میں ان سے  
کس نے جا کر کہہ دیا تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں بڑا سخت جنگ مرہ ہو گیا ہے  
مولوی محمود حسن بھی ایک فریق میں شامل ہو گئے ہیں آپ چل کر انھیں منع کر دیجئے  
اور روح کی قوت تعریف دیکھئے کہ اس عالم میں دوبارہ آنے کے لئے  
اس نے خود ہی آگ پانی ہوا اور مٹی کا ایک انسانی جسم تیار کیا اور خود ہی انہیں  
داخل ہو کر زندگی کے آثار اور نقل و حرکت کی قوتوں سے مسلح ہوئی اور قبر سے  
اٹھ کر سیدھے دیوبند کے مدرسہ میں چلی آئی۔

مولوی قاسم نانوتوی صاحب کی روح کے لئے یہ خدائی اختیارات بلا چون  
چرا مولوی رفیع الدین صاحب نے بھی تسلیم کر لیا، مولوی محمود حسن نے بھی مان لیا  
اور اشرف علی تھانوی کا کیا کہنا کہ انھوں نے تو جسم انسانی کا خالق ہی اسے ٹھہرایا  
اور اب قاری طیب صاحب کی اس کی اشاعت فرما رہے ہیں۔  
ہے کوئی غیر تہذیبی مسلمان؟ جو ان تہذیبوں سے پوچھے کہ روحانی تصرفات  
کے جو اختیارات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء و شہداء کے لئے تم  
شرک جلی تجھے ہوا جس بنیاد پر تمہارے مذہب فکر کی پوری عمارت کھڑی ہے  
اب وہی شرک جلی مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے لئے کیونکر ایمان و اسلام  
بن گیا ہے؟

شرک کے سائے میں بیٹھ کر توحید پرستی کا رنگ اپنے والو شرم کر داور

... واقعات بہت کثرت و اوقات بہت مشکل مضمون تحقیقی کتاب "ذکر"

اس پدیدہ سحر کا انتظار کرو جب تمہارے قریب کا دامن چاک ہو گا۔  
(جام نور مکتبہ اہل سنت برصغیر)

مولانا سودودی کی بیگم محفل میلاد میں | مولانا سودودی اور ہندو پاک  
میں ان کی جماعت کے افراد محفل میلاد کے خلاف جس غیظ و غضب اور نفرت و  
دشمنی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں وہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔  
ابھی گزشتہ ہی سال کی بات ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کے موقع پر مولانا  
سودودی نے تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا۔

"اس دن کو دیوالی اور دسہرہ کی شکل دیدی گئی ہے اور عین میلاد  
کے دن لاہور میں شیطان کا علم بلند کیا گیا ہے (سدا اللہ)

نوائے وقت لاہور

یہ مولانا سودودی کا کردار! اب ان کی بیگم صاحبہ کا کردار ملاحظہ فرمائیے  
روزنامہ نوائے وقت لاہور رقم طراز ہے کہ اس سال ۱۲ ربیع الاول  
کے موقع پر لاہور کے ایک کلب میں محفل میلاد منعقد ہوئی جس میں سودودی  
صاحب کی بیگم بھی شریک ہوئیں قیام و سلام بھی ہوا اور دعا پر مجلس ختم ہو گئی  
موصوفہ کی تقریر کا یہ حصہ قابل ذکر ہے۔

یہ مہینہ ہر برس آتا ہے اور ہم عید میلاد النبی بڑے چاہ  
اور جذبے سے مناتے ہیں؟

نوائے وقت ۱۱ جون ۱۹۶۷ء

... کتاب اختیارات کے تحت ...  
... شیعان لا جندہ اہلاد کیا ...  
... گھروں میں شرمگاہ ...  
... گھروں میں شرمگاہ ...  
... گھروں میں شرمگاہ ...



اگر مولانا سودودی کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں تھی تو یہ یقین کرنا مذہبی قیادت  
 کی تاریخ کا بڑا ہی سنگین حادثہ کہلے گا کہ مولانا سودودی کی ہجرت ان کے  
 اختیار میں نہیں ہے۔ اور اپنے شوہر کے مذہبی عقیدے کے خلاف کسی بھی  
 مصلحت میں وہ اجازت حاصل کئے بغیر شریک ہوتی ہیں اور اگر انھیں اطلاع  
 تھی تو ایک حرام مجلس میں شرکت کی انھوں نے کیوں اجازت دی؟  
 جو اپنی رفیقہ حیات کو اپنے دین کا پابند نہیں بنا سکتا وہ گھر کے باہر عام مسلمانوں  
 کو کیا دین کا پابند بنائے گا۔